الفاضلة

لحل اسئلة

الكتب الخمسة

(برائے طلبہ دورہ حدیث شریف)

ہدایۃ

- مشکوٰۃ
- ہدایۃ آخرین
- شرح عقائد
- نخبۃ الفکر
- سراجی

تالیف

محمد تحسین فائز قاسمی

فاضل دار العلوم دیوبند

ہدایۃ

اشرفی بک ڈپو دیوبند

Pinterest

Follow All Social Media Network:

NEW MADARSA

Blogger

Telegram

Instagram

facebook

काम देख कर follow करें

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

ہدایہ

جو کتاب نیٹ پر موجود نہیں ہیں
یا کوئی کتاب آپکو چاہئے جو نیٹ پر
موجود نہ ہو تو آپ ہمیں میسیج کریں

NEW MADARSA

ٹیلیگرام چینل
@New Madarsa
https://t.me/NewMadarsa

یا ٹیلیگرام گروپ
@New Madarsa Group
https://t.me/NewMadarsaGroup

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال: ۱، ہدایہ آخرین: ص/۲۱

(الف) عبارت با اعراب: وَالْأَعْوَاضُ الْمُشَارُ إِلَيْهَا لَا يَحْتَاجُ إِلٰى مَعْرِفَةِ مِقْدَارِهَا فِيْ جَوَازِ الْبَيْعِ لِأَنَّ بِالْإِشَارَةِ كِفَايَةً فِي التَّعْرِيْفِ وَجَهَالَةُ الْوَصْفِ فِيْهِ لَا تُفْضِيْ إِلَى الْمُنَازَعَةِ وَالْأَثْمَانُ الْمُطْلَقَةُ إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ مَعْرُوْفَةَ الْقَدْرِ وَالصِّفَةِ لِأَنَّ التَّسْلِيْمَ وَالتَّسَلُّمَ وَاجِبٌ بِالْعَقْدِ وَ هٰذِهِ الْجَهَالَةُ مُفْضِيَةٌ إِلَى الْمُنَازِعَةِ فَيَمْتَنِعُ التَّسْلِيْمُ وَالتَّسَلُّمُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) تشریح کرتے ہوئے بتلائیے کہ عوض سے مبیع مراد ہے یا ثمن یا دونوں مراد ہیں (ج) نیز اثمانِ مطلقہ کے کیا معنیٰ ہیں اور ثمن مطلق اور ثمن مبین کی کیا صورت ہے؟ ضرور تحریر کریں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

الجواب

(الف) ترجمہ: اور وہ عوض جن کی طرف اشارہ کر دیا جائے تو جوازِ بیع کے لیے ان کی مقدار جاننے کی ضرورت نہیں ہے؛ اس لیے کہ شناخت کے سلسلہ میں اشارہ کافی ہوتا ہے، اور اشارہ میں وصف کی جہالت مفضی الی المنازعت نہیں ہوتی، اشارہ سے خالی اثمان کا ثمن ہونا درست نہیں ہے، الّا یہ کہ ان کی مقدار اور صفت معلوم ہو؛ کیوں کہ بحکمِ عقد دینا لینا ضروری ہے اور یہ جہالت مفضی الی النزاع ہے، لہٰذا دینے لینے میں رکاوٹ ہوگی۔

(ب) عبارت کی واضح تشریح ملاحظہ فرمائیں: فرماتے ہیں کہ اگر بائع اور مشتری یا دونوں نے عوض کی مقدار اور اس کا وصف بیان نہیں کیا اور صرف یوں کہا

کہ میں نے غلّہ کا یہ ڈھیر فروخت کر دیا اور مشتری نے بھی ثمن کی مقدار وغیرہ بیان کیے بغیر یوں کہا کہ میں نے اپنی مٹھی میں موجود دراہم کے بدلے اسے خرید لیا تو ان دونوں صورتوں میں بیع منعقد ہو جائے گی؛ اس لیے کہ جب مبیع کی طرف اشارہ کر دیا گیا اور وہ موجود ہے اسی طرح مشتری نے ثمن کی طرف اشارہ کیا اور وہ بھی اس کے ہاتھ میں ہے تو ظاہر ہے کہ یہاں اشارہ سے ایک حد تک دونوں عوض کا اندازہ ہو چکا ہے اور ہر کوئی اس کے مطابق عقد کرنے کے لیے راضی ہے، رہا وصف اور مقدار کا مجہول ہونا تو یہ اس صورت میں مفضی الی النزاع نہیں ہوگا؛ کیوں کہ جب عاقدین عوض مشارٌ الیہ کا مشاہدہ کر رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ دونوں ایفائے عقد کے لیے تیار ہیں اور یہ صورت مفضی الی النزاع نہیں ہے؛ اس لیے یہ بیع درست ہوگی۔

لیکن اگر کسی نے ثمن کی طرف اشارہ نہیں کیا اور اس کا وصف اور مقدار کو بیان بھی نہیں کیا صرف اتنا کہا کہ میں نے فلاں چیز دراہم یا دنانیر کے عوض خریدی، اس صورت میں بیع درست نہیں ہوگی؛ کیوں کہ از روئے عقد عاقدین میں سے ہر ایک کو دینے اور لینے کی ضرورت پیش آتی ہے اور یہاں ثمن اشارہ وصف اور مقدار تینوں چیزوں سے خالی ہے تو یہ صورت مفضی الی النزاع ہوگی اور قاعدہ ہے ہر وہ جہالت جو مفضی الی النزاع ہو جوازِ عقد کے لیے مانع ہوتی ہے؛ اس لیے یہ عقد بھی درست نہیں ہوگا۔

لیکن اگر مشتری نے ثمن کا وصف بیان کر دیا کہ یہ بخاری ہے یا سمرقندی ہے یا اس کی مقدار کو بیان کر دیا کہ میں نے دس درہم کے عوض خریدی تو یہ صورت مفضی الی النزاع نہیں ہے اس صورت میں عقد درست ہوگا۔ (احسن الہدایہ: ج/۸، ص/۲۱)

عوض سے مراد ثمن اور بیع دونوں ہیں "سواء كانت ثمنًا أو مثمنًا"

(البنایہ: ج/۸، ص/۱۴)

(ج) اثمانِ مطلقہ کے کیا معنیٰ ہیں؟ ثمنِ مطلق اور ثمن مبین کی کیا صورت ہے؟

اثمانِ مطلقہ: جو ثمن غائب ہو یا اس کی مقدار اور وصف معلوم نہ ہو۔

ثمن مطلق کی صورت یہ ہے کہ زید نے کہا کہ میں نے ایک قلم سونے کے عوض خریدا؛ لیکن سونے کی مقدار اور وصف کو بیان نہیں کیا یہ ثمن مطلق کی صورت ہے۔

ثمن مبین کی صورت یہ ہے کہ زید نے کہا کہ میں نے ایک قلم ایک درہم میں خریدا، یہ درہم بخاری ہے یا یہ درہم سمرقندی ہے۔ اس صورت میں مقدار اور وصف دونوں کو بیان کردیا یہ ثمن مبین کی صورت ہے۔ (حاشیہ ہدایہ: ج۳/، ص/۸)

سوال: ۲، ہدایہ آخرین: ص/۲۲ (داخلہ ۱۴۳۲ھ)

(الف) عبارت با اعراب: وَيَجُوزُ بِإِنَاءٍ بِعَيْنِهٖ لَايُعْرَفُ مِقْدَارُهٗ وَ بِوَزْنِ حَجَرٍ بِعَيْنِهٖ لَايُعْرَفُ مِقْدَارُهٗ لِاَنَّ الْجِهَالَةَ لَاتُفْضِي إِلَى الْمُنَازَعَةِ لِمَا أَنَّهٗ يَتَعَجَّلُ فِيْهِ التَّسْلِيْمُ فَيَنْدُرُ هَلَاكُهٗ قَبْلَهٗ بِخِلَافِ السَّلَمِ لِأَنَّ التَّسْلِيْمَ فِيْهِ مُتَأَخِّرٌ وَ الْهَلَاكُ لَيْسَ بِنَادِرٍ قَبْلَهٗ فَيَتَحَقَّقُ الْمُنَازَعَةُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) عبارت کی تشریح کرتے ہوئے بتائیں کہ "بخلاف السّلم" سے مصنفؒ کیا کہنا چاہتے ہیں؟

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

الجواب

(الف) ترجمہ: اور ایک معروف المقدار معین برتن اور اسی طرح ایک غیر معروف المقدار معین پتھر کے عوض بیع درست ہے؛ اس لیے کہ یہ جہالت مفضی الی المنازعت نہیں ہے؛ نیز اس میں فی الحال سپردگی بھی ہے تو اس ثمن (معین پتھر یا برتن) کا سپردگی مبیع سے قبل ہلاک ہونا نادر ہے، برخلاف سلم کے؛ کیونکہ اس میں سپردگی متاخر ہوتی ہے اور اس سے پہلے ثمن کا ہلاک ہونا نادر نہیں ہے، لہٰذا وہاں منازعت متحقق ہے۔

(ب) عبارت کی تشریح: ایک متعین برتن کے ناپ کے ساتھ جس کی مقدار معلوم نہیں ہے اور ایک متعین پتھر کے وزن کے ساتھ جس کی مقدار معلوم نہیں ہے بیع

کرنا درست ہے، مثلاً بقال نے کہا کہ ایک روپئے میں اس مٹکی سے چار مٹکیاں اَناج دوں گا یا ایک روپئے میں اس پتھر سے ایک مرتبہ تول کر دوں گا تو اس صورت میں بیع جائز ہے اگر چہ مبیع مجہول ہے؛ لیکن یہ جہالت ایسی نہیں ہے جو مفضی الی النزاع ہو؛ کیونکہ دونوں طرف سے معاملہ نقد ہی ہے اور یہ بات نادر الوقوع ہے کہ وہ برتن یا پتھر صرف لینے دینے میں ہلاک ہو جائے یہ صورت مفضی الی النزاع نہیں ہے اور اگر یہ مفضی الی النزاع ہو تو اس کی اصلاح ممکن ہے، لہٰذا بیع درست ہوگی۔

لیکن بیع سلم میں اِس طرح کا معاملہ کرنا درست نہیں ہے؛ کیونکہ بیع سلم میں مبیع کی حوالگی ایک مدت کے بعد ہوتی ہے اور مدت معین میں برتن اور حجر کے ہلاک ہونے کا قوی اندیشہ ہے؛ اس لیے یہ معاملہ مفضی الی النزاع ہے جو جوازِ بیع کے لیے مانع ہے۔

امام صاحبؒ کے نزدیک جس طرح بیع سلم درست نہیں ہے اسی طرح مطلق بیع بھی درست نہیں ہے؛ لیکن امام صاحب تمام برتنوں کے بارے میں نہیں کہتے؛ بلکہ صرف زنبیل اور جوالق وغیرہ کے بارے میں عدمِ جواز کے قائل ہیں؛ لیکن صاحبِ کتاب مطلق بیع کے بارے میں قول اوّل کو راجح قرار دیتے ہیں۔

دلیل: امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ جوالق اور زنبیل میں کمی زیادتی کا احتمال ہے تو یہ صورت مفضی الی النزاع ہو جائے گی، قولِ اوّل کو راجح قرار دینے والوں کی دلیل یہ ہے کہ یہ معاملہ مفضی الی النزاع نہیں ہے؛ اس لیے درست ہے اور مبسوط میں ہے کہ اگر کسی نے کسی معین برتن سے کوئی چیز خریدی ہاتھ در ہاتھ تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور بیع مجازفہ بھی درست ہے یعنی اندازہ اور اَٹکل سے بیع کرنا تو یہ برتن اور حجر والی صورت تو بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگی۔ (البنایہ: ج/۸، ص/۲۰)

"بخلاف السّلم" سے مصنفؒ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ بیع سلم میں یہ معاملہ کرنا درست نہیں ہے؛ کیونکہ بیع سلم میں بیع کی حوالگی ایک مدت کے بعد ہوتی ہے اور اس دوران اس برتن کے ہلاک ہونے اور اس حجر کے ضائع ہونے کا قوی اندیشہ ہے

اور اس کے ہلاک ہونے کی صورت میں یہ معاملہ مفضی الی النزاع ہو جائے گا؛ اس لیے بیع سلم میں یہ معاملہ کرنا درست نہیں ہے۔ (احسن الہدایہ: ج/۸، ص/۲۶)

سوال: ۳، ہدایہ آخرین: ص/۲۳ (داخلہ ۱۴۳۹ھ)

(الف) عبارت با اعراب: وَمَنِ اشْتَرىٰ عَشَرَةَ أَذْرُعٍ مِنْ مِائَةِ ذِرَاعٍ مِنْ دَارٍ أَوْ حَمَّامٍ فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا: هُوَ جَائِزٌ، وَ إِنْ اشْتَرىٰ عَشَرَةَ أَسْهُمٍ مِنْ مِائَةِ سَهْمٍ جَازَ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا لَهُمَا أَنَّ عَشَرَةَ أَذْرُعٍ مِنْ مِائَةِ ذِرَاعٍ عُشْرُ الدَّارِ فَأَشْبَهَ عَشَرَةَ أَسْهُمٍ، وَلَهُ أَنَّ الذِّرَاعَ اسْمٌ لِمَا يُذْرَعُ بِهِ، وَاسْتُعِيرَ لِمَا يَحِلُّهُ الذِّرَاعُ وَهُوَ الْمُعَيَّنُ دُونَ الْمَشَاعِ، وَذٰلِكَ غَيْرُ مَعْلُومٍ، بِخِلَافِ السَّهْمِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) دونوں مسئلوں کی وضاحت کریں (ج) پھر امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کی دلیلوں کی تشفی بخش تشریح کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: کسی شخص نے گھر یا غسل خانے کے سو گزوں میں سے دس گز خریدے تو امام صاحبؒ کے نزدیک بیع فاسد ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ جائز ہے اور اگر اس نے سو حصوں میں سے دس حصے خریدے تو تمام کے نزدیک جائز ہے۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ سو گز میں سے دس گز مکان کا دسواں حصہ ہے تو دس حصوں کا مشابہ ہو گیا اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ ذراع اس چیز کا نام ہے جس سے ناپا جائے اور اس کو مستعار لیا گیا ہے اس چیز کے لیے جس میں ذراع حلول کرے اور وہ معین ہے نہ کہ مشاع، اور یہ معلوم نہیں ہے برخلاف حصے کے۔

(ب) دونوں مسئلوں کی وضاحت: مسئلہ سمجھنے سے پہلے بطورِ مقدمہ دو بات ذہن نشین کرنا ضروری ہے:

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(۱) ذراع اور سہم (گز اور حصہ) دونوں الگ الگ چیز ہیں، ذراع اس آلہ کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز کو ناپا جاتا ہے اور جب ایک مشترک شی کو اس کے شارکین کے درمیان ان کے حقوق کے بقدر تقسیم کر دیا جائے تو اس کو سہم کہتے ہیں۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ ذراع مشاع نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ کسی ایک جگہ معین ہوتا ہے، اور سہم مشاع ہوتا ہے یعنی پورے مکان میں پھیلا ہوا ہوتا ہے۔

حاصلِ عبارت: یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی گھر یا حمام کے سوگزوں میں سے دس گز خریدے تو امام صاحبؒ کے نزدیک بیع فاسد ہوگی اور صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہوگی، اور اگر حمام یا دار کے سو حصوں میں سے دس حصے خریدے تو بالاتفاق یہ بیع درست ہے، حاصل یہ ہے کہ سہم والی صورت میں تینوں ائمہ جواز کے قائل ہیں اور ذراع والی صورت میں امام صاحبؒ فساد کے قائل ہیں اور صاحبینؒ جواز کے قائل ہیں۔

(ج) امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کی دلیلوں کی تشفی بخش تشریح:

صاحبینؒ کی دلیل: صاحبینؒ ذراع والی صورت کو سہم والی صورت پر قیاس کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سوگزوں میں سے دس گز مکان کا دسواں حصہ ہے، لہٰذا دس گز کا خریدنا ایسا ہو گیا جیسا کہ دس حصوں کا خریدنا اور دس حصوں کا خریدنا بالاتفاق جائز ہے، لہٰذا دس گزوں کا خریدنا بھی جائز ہوگا۔

امام صاحبؒ کی دلیل: امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ جس آلہ سے ناپا جائے اس کو ذراع کہتے ہیں اور ذراع کو متعین کرنا ضروری ہوتا ہے؛ کیوں کہ اس میں شیوع ہوتا ہے اور چوں کہ یہاں تعین نہیں ہے اور مکان کے اطراف قیمت کے اعتبار سے متفاوت ہوتے ہیں مثلاً دروازے کی جانب کی قیمت زیادہ ہوتی ہے اور اندر کے حصہ کی کم، تو مشتری چاہے گا کہ مجھے دس گز ملے جو عمدہ ہے اور بائع چاہے گا کہ ہم وہ دیں جو عمدہ نہ ہو، تو نزاع ہوگا؛ اس لیے اس صورت میں بیع فاسد ہے۔

اور سہم والی صورت میں چوں کہ ناپ کر دینا نہیں ہے؛ بلکہ وہ تو پورے مکان میں

مشاع ہے؛ اس لیے اس میں صرف شریک ہو کر فائدہ اُٹھانا ہے، مثلاً جس کے نوّے حصے ہیں وہ اس سے نوے دن تک فائدہ اُٹھائے اور جس کے دس حصے ہیں وہ اس سے دس دن تک فائدہ اُٹھائے۔

سوال: ۴، ہدایہ آخرین: ص/۲۴ (داخلہ ۱۴۳۵ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَلَوْ اِشْتَرٰی ثَوْبًا وَاحِدًا عَلٰی أَنَّهٗ عَشَرَةُ أَذْرُعٍ كُلُّ ذِرَاعٍ بِدِرْهَمٍ فَإِذَا هُوَ عَشَرَةٌ وَ نِصْفٌ أَوْتِسْعَةٌ وَّنِصْفٌ، قَالَ أَبُوْحَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ يَأْخُذُهٗ بِعَشَرَةٍ مِنْ غَيْرِ خِيَارٍ، وَ فِي الْوَجْهِ الثَّانِي يَأْخُذُهٗ بِتِسْعَةٍ إِنْ شَآءَ وَ قَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ يَأْخُذُهٗ بِأَحَدَ عَشَرَ إِنْ شَآءَ، وَ فِي الثَّانِي يَأْخُذُهٗ بِعَشَرَةٍ إِنْ شَآءَ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِي الْأَوَّلِ يَأْخُذُهٗ بِعَشَرَةٍ وَ نِصْفٍ إِنْ شَآءَ، وَ فِي الثَّانِي بِتِسْعَةٍ وَ نِصْفٍ وَ يُخَيَّرُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) تینوں ائمۂ احناف کے اقوال بوضاحت لکھ کر ان کے دلائل تحریر کریں۔

Website: MadarseWale.blogspot.com
Website: NewMadarsa.blogspot.com

الجواب

(الف) ترجمہ: اور اگر کسی نے کپڑے کا ایک تھان خریدا اس شرط پر کہ وہ دس گز ہے اور ہر گز ایک درہم میں ہے پھر وہ تھان ساڑھے دس یا ساڑھے نو گز کا نکلا تو (اس سلسلہ میں) حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ پہلی صورت میں مشتری اسے دس درہم کے عوض بغیر کسی اختیار کے لے لے گا۔ اور دوسری صورت میں اگر مشتری چاہے تو نو درہم میں لے لے۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر مشتری چاہے تو پہلی صورت میں اسے گیارہ درہم کے عوض لے لے اور دوسری صورت میں اگر لینا چاہے تو

دس درہم کے عوض لے لے۔ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر مشتری چاہے تو اس پہلی صورت میں ساڑھے دس درہم کے عوض لے لے۔ اور دوسری صورت میں ساڑھے نو درہم میں لے لے اور اسے اختیار حاصل ہوگا۔

(ب) تینوں ائمۂ احناف کے اقوال بوضاحت اور ان کے دلائل:

(۱) امام صاحبؒ کا مذہب مذکورہ صورت میں یہ ہے کہ زیادتی کی صورت میں مشتری بغیر کسی اختیار کے دس درہم میں وہ تھان خرید لے گا اور کمی کی صورت میں مشتری کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو نو درہم میں لے لے اور اگر نہ چاہے تو اس کو ترک کر دے۔

امام صاحبؒ کی دلیل: اصل کے اعتبار سے ذراع وصف ہے اور وصف کے مقابلہ میں ثمن نہیں ہوتا ہے؛ لیکن جب بائع نے "کلّ ذراع بدرهم" کی شرط لگادی اور ذراع کا مستقل ثمن بیان کر دیا تو اس شرط کی وجہ سے ذراع کی وصفیت ختم ہوگئی اور اس میں اصل کی بُو آگئی اور شرط کے متعلق اُصول یہ ہے کہ ہر ممکن اس کی رعایت کی جائے تو جب مشتری نے "کل ذراع بدرهم" میں کامل ذراع کا ثمن بیان کیا ہے تو شرط کی رعایت بھی کامل ذراع میں ہوگی نہ کہ نصف میں۔ اب یہ نصف ذراع اپنی اصل کی طرف لوٹ جائے گی۔ اور اس کی اصل وصف ہونا ہے اور وصف کے مقابلہ میں کوئی ثمن نہیں ہوگا اور زیادتی کی صورت میں دس درہم میں بغیر اختیار کے خرید لے گا اور نقص کی صورت میں نو درہم میں اختیار ہوگا خریدنے اور نہ خریدنے کا اور یہ اختیار تفرق صفقہ کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔

(۲) امام ابو یوسفؒ کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ مشتری کو دونوں صورتوں میں اختیار حاصل ہوگا زیادتیٔ گز کی صورت میں بھی اور نقصِ گز کی صورت میں بھی۔ اگر چاہے تو زیادتیٔ گز کی صورت میں گیارہ درہم میں خرید لے اور نقص کی صورت میں دس درہم کے عوض میں خرید لے اور اگر نہ چاہے تو نہ خریدے۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل: یہ ہے کہ "کل ذراع بدرهم" کہہ کر جب ہر گز کے مقابلے میں ثمن ذکر کر دیا گیا، تو اب ذراع وصف نہ رہا؛ بلکہ اصل ہوگیا اور دس ذراع

بمنزلہ دس تھان کے ہوگئے، پس زیادتی کی صورت میں گویا مشتری نے گیارہ تھان خریدے؛ مگر گیارہواں تھان کچھ کم نکلا اور نقصان کی صورت میں گویا دس تھان خریدے؛ مگر دسواں تھان کچھ کم نکلا اور ذراع کے کم ہونے سے ثمن میں کمی نہیں کی جاتی؛ اس لیے پورے ذراع کا ثمن واجب ہوگا۔

(۳) امام محمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ زیادتی کی صورت میں ساڑھے دس درہم کے عوض لے لے اور نقصان کی صورت میں ساڑھے نو درھم کے عوض لے لے اور دونوں صورتوں میں مشتری کو اختیار رہے گا چاہے لے یا نہ لے۔

امام محمدؒ کی دلیل: یہ ہے کہ جب ایک درہم کو ایک گز کے مقابلے میں ذکر کیا تو گز کے ہر جزء کے مقابلے میں درہم کا اسی کے مثل جزء ہوگا۔

سوال: ۵، ہدایہ آخرین: ص/۲۹ (داخلہ ۱۴۲۶ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَ مَنْ بَاعَ سِلْعَةً بِثَمَنٍ قِيلَ لِلْمُشْتَرِي إِدْفَعِ الثَّمَنَ أَوَّلًا لِأَنَّ حَقَّ الْمُشْتَرِي تَعَيَّنَ فِي الْمَبِيعِ فَيُقَدَّمُ دَفْعُ الثَّمَنِ لِيَتَعَيَّنَ حَقُّ الْبَائِعِ بِالْقَبْضِ لِمَا أَنَّهُ لَايَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ تَحْقِيقًا لِلْمُسَاوَاةِ وَ مَنْ بَاعَ سِلْعَةً بِسِلْعَةٍ أَوْ ثَمَنًا بِثَمَنٍ قِيلَ لَهُمَا سَلِّمَا مَعًا لِاسْتِوَائِهِمَا فِي التَّعْيِينِ وَ عَدَمِهِ فَلَاحَاجَةَ إِلٰى تَقْدِيمِ أَحَدِهِمَا فِي الدَّفْعِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب کی وضاحت کریں (ج) بتلائیے کہ یہاں ثمن سے مال کی کون سی قسم مراد ہے اور بیع الثمن بالثمن کا اصطلاحی نام کیا ہے؟ تحریر کریں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

الجواب

(الف) ترجمہ: اور جس شخص نے ثمن کے عوض کوئی سامان فروخت کیا، تو مشتری سے کہا

جائے گا کہ پہلے ثمن ادا کرو؛ اس لیے کہ مشتری کا حق مبیع میں متعین ہو چکا ہے، لہٰذا ادائیگی ثمن کو مقدم کیا جائے گا، تا کہ قبضہ سے بائع کا حق بھی متعین ہو جائے؛ اس لیے کہ ثمن متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا (اور ادائیگی ثمن کی تقدیم کا حکم) برابری ثابت کرنے کے لیے ہے اور جس شخص نے سامان کو سامان کے عوض یا ثمن کو ثمن کے عوض فروخت کیا تو دونوں سے کہا جائے گا کہ ایک ساتھ سپرد کرو۔ تعیین اور عدم تعیین میں دونوں کے برابر ہونے کی وجہ سے، لہٰذا ادائیگی میں کسی ایک کو مقدم کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

(ب) مطلب کی وضاحت: عبارت میں دو مسئلے بیان کیے گئے ہیں:

(۱) اگر کسی نے ثمن یعنی دراہم و دنانیر کے عوض کوئی سامان فروخت کیا اور عاقدین ادائیگی میں اختلاف کرنے لگے اس صورت میں تقدیم ادا کا مکلّف کون ہوگا۔ فرماتے ہیں اس صورت میں دو باتیں قابلِ غور ہیں: (۱) عقدِ بیع سے مبیع میں مشتری کا حق متعین ہو جاتا ہے اور محض عقد سے ثمن میں بائع کا حق متعین نہیں ہوتا تو نفس عقد سے مشتری کو ایک طرح کا تقدم حاصل ہو جاتا ہے اور بیع میں مساوات ضروری ہے، لہٰذا مشتری کو اِس بات کا مکلّف بنایا جائے گا کہ وہ ثمن کی ادائیگی کرے تا کہ اس پر قبضہ کرنے کے بعد بائع کا حق بھی ثمن سے متعلق ہو جائے۔ اب مساوات کو ثابت کرنے کے لیے مشتری کو ثمن کے ادا کرنے کا پہلے مکلّف بنایا جائے گا۔

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر ثمن کو ثمن کے عوض اور سامان کو سامان کے عوض فروخت کیا تو ان دونوں صورتوں میں کسی کو بھی پہلے ادا کرنے کا مکلّف نہیں بنایا جائے گا، وجہ اس کی یہ ہے کہ ثمن کے عوض ثمن کی صورت میں عدمِ تعیین میں دونوں برابر ہیں اور سامان کے عوض کی صورت میں دونوں تعیین حق میں برابر ہیں؛ اس لیے ان دونوں صورتوں میں کسی کو بھی تقدم حاصل نہیں ہوگا اور پہلے مسئلہ میں مشتری کو ایک طرح کا تقدم حاصل ہوگا؛ اس لیے اس کو ادائے ثمن کا مکلّف بنایا جائے گا؛ لیکن دوسرے مسئلہ میں کسی کو کوئی تقدم حاصل نہیں ہوگا؛ اس لیے کسی کو بھی پہلے ادائیگی کا مکلّف نہیں بنایا جائے گا۔

(ج) ثمن سے مال کی کون سی قسم مراد ہے اور بیع الثمن بالثمن کا اصطلاحی نام کیا ہے؟

یہاں ثمن سے مراد: دراہم ودنانیر وغیرہ ہیں اور بیع الثمن بالثمن کو اصطلاح میں بیع الصرف کہتے ہیں۔

سوال:۶، ہدایہ آخرین: ص/۲۹ (داخلہ ۱۴۳۴ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَ أُجْرَةُ الْكَيَّالِ وَ نَاقِدِ الثَّمَنِ عَلَى الْبَائِعِ أَمَّا الْكَيْلُ فَلَابُدَّ مِنْهُ لِلتَّسْلِيْمِ وَ هُوَ عَلَى الْبَائِعِ وَ مَعْنٰى هٰذَا إِذَا بِيْعَ مُكَايَلَةً وَ كَذَا أُجْرَةُ الْوَزَّانِ وَالذَّرَّاعِ وَالْعَدَّادِ وَ اَمَّا النَّقْدُ فَالْمَذْكُوْرُ رِوَايَةُ ابْنِ رُسْتَمَ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ لِأَنَّ النَّقْدَ يَكُوْنُ بَعْدَ التَّسْلِيْمِ أَلَاتَرٰى أَنَّهٗ يَكُوْنُ بَعْدَ الْوَزْنِ، وَالْوَزْنُ وَالْبَائِعُ هُوَ الْمُحْتَاجُ إِلَيْهِ لِيُمَيِّزَ مَاتَعَلَّقَ بِهٖ حَقُّهٗ مِنْ غَيْرِهٖ أَوْلِيَعْرِفَ الْمَعِيْبَ لِيَرُدَّهٗ وَ فِيْ رِوَايَةِ بْنِ سَمَاعَةَ عَنْهُ عَلَى الْمُشْتَرِيْ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) عبارت کی تشریح کرتے ہوئے بتائیے کہ نقدِ ثمن سے کیا مراد ہے؟ اور نقدِ ثمن کی اُجرت میں کیا اختلاف ہے؟ دلیل کے ساتھ تحریر کریں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

الجواب

ترجمہ: اور ناپنے والے، ثمن پرکھنے والے اُجرت بائع پر واجب ہے۔ ناپنے کی اُجرت تو اس لیے واجب ہے کہ مشتری کو مبیع سپرد کرنے کے واسطے مبیع کو ناپنا ضروری ہے اور سپرد کرنا بائع پر واجب ہے۔ اور اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ جب وہ چیز پیمانہ کے حساب سے بیچی گئی ہو اور اسی طرح وزن کرنے والے اور گزوں سے ناپنے والے اور شمار کرنے والے کی اُجرت (بھی بائع پر واجب ہے) اور ثمن پرکھنے کا بیان جو مذکور ہے وہ امام محمدؒ سے ابنِ رستم کی روایت ہے؛ کیونکہ ثمن پرکھنا تو بائع کو سپرد کرنے کے

بعد ہوتا ہے، کیا نہیں دیکھتے ہو کہ وزن کے بعد ہوتا ہے اور پرکھنے کی ضرورت بائع ہی کے واسطے ہے تاکہ بائع اس کو جس کے ساتھ اس کا تعلق ہوا ہے اس کے علاوہ سے ممتاز کرے یا اس لیے کہ عیب دار کو پہچان کر مشتری کو واپس کر دے، اور امام محمدؒ سے ابنِ سماعہ کی روایت کے مطابق ثمن پرکھنے کی اُجرت مشتری پر واجب ہے۔

(ب) عبارت کی تشریح، نقدِ ثمن سے اور نقدِ ثمن کی اُجرت میں اختلاف:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کیلی چیزوں کو کیل کے ذریعہ بیچا یا موزون چیز کو وزن کے ساتھ بیچا یا مذروعات میں سے کسی کو گز سے ناپ کر بیچا معدود کو شمار کر کے بیچا تو کیل کرنے اور وزن کرنے والے گزوں سے ناپنے والے اور شمار کرنے والے کی اُجرت بائع پر واجب ہے، اسی طرح مشتری جو ثمن دے گا اس کے کھرا کھوٹا پرکھنے والے کی اُجرت بھی بائع پر واجب ہے، کیل یا وزن وغیرہ کرنے والے کی اُجرت تو بائع پر اس لیے واجب ہوگی کہ مبیع سپرد کرنا بائع پر واجب ہے اور مبیع سپرد کرنا کیل وغیرہ کرنے پر موقوف ہے اور قاعدہ ہے کہ واجب کا موقوف علیہ بھی واجب ہوتا ہے؛ اس لیے کیل کرنا وزن کرنا بائع پر واجب ہوگا۔

اور جب کیل کرنا بائع پر واجب ہو تو اگر اس نے دوسرے سے کیل کرایا تو اس کی اُجرت بھی بائع پر واجب ہوگی اور رہا ثمن کو پرکھنا اور اس کے کھرے کھوٹے کو دیکھنا تو امام محمدؒ سے ابنِ رستم کی روایت تو وہی ہے جو قدوری میں مذکور ہے کہ ثمن پرکھنے کی اُجرت بائع پر واجب ہے، اور امام محمدؒ سے ابنِ سماعہ کی روایت یہ ہے کہ ثمن پرکھنے کی اُجرت مشتری پر واجب ہے ابنِ رستم کی روایت کی دلیل یہ ہے کہ ثمن پرکھنا اور اس کا کھرا کھوٹا ہونا دیکھنا اس وقت ہوتا ہے جبکہ مشتری ثمن بائع کو سپرد کر دے۔

چنانچہ آپ ملاحظہ فرمائیں کہ ثمن پرکھنا ثمن وزن کرنے کے بعد ہوگا، اور ثمن وزن کرنے سے تسلیم متحقق ہو جاتی ہے، پس ثابت ہوا کہ ثمن پرکھنے کی ضرورت تسلیم کے بعد ہی پیش آئے گی، اور تسلیم ثمن کے بعد کھرا کھوٹا پہچاننے کی ضرورت بائع کو ہے

تا کہ بائع کھرے کو جس سے اس کا حق متعلق ہے کھوٹے سے ممتاز کر سکے، یا اس لیے کہ عیب دار کو پہچان کر مشتری کو واپس کر دے، اور ابنِ سماعہ کی روایت کی دلیل یہ ہے کہ مشتری پر چونکہ جید ثمن (جو عقد بیع میں متعین کیا گیا ہے) سپرد کرنا واجب ہے اور جید ہونا پرکھنے سے معلوم ہوگا جس طرح ثمن کی مقدار وزن کرنے سے معلوم ہوتی ہے؛ اس لیے ثمن پرکھنے کی اُجرت مشتری پر واجب ہوگی۔

نقدِ ثمن سے مراد: دراہم، دنانیر کو پرکھنا ہے، کہ کھوٹا ہے یا نہیں۔

سوال: ۷، ہدایہ آخرین: ص/۲۹ (داخلہ ۱۴۲۹ھ)

(الف) عبارت با اعراب: وَ إِذَا اشْتَرىٰ الرَّجُلَانِ غُلَامًا عَلىٰ أَنَّهُمَا بِالْخِيَارِ فَرَضِيَ أَحَدُهُمَا فَلَيْسَ لِلْآخَرِ أَنْ يَرُدَّهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ وَ قَالَا لَهُ أَنْ يَرُدَّهُ، وَ عَلىٰ هٰذَا الْخِلَافِ خِيَارُ الْعَيْبِ وَ خِيَارُ الرُّؤْيَةِ لَهُمَا أَنَّ إِثْبَاتَ الْخِيَارِ لَهُمَا إِثْبَاتُهُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فَلَايَسْقُطُ بِإِسْقَاطِ صَاحِبِهٖ لِمَا فِيْهِ مِنْ إِبْطَالِ حَقِّهٖ، وَلَهُ أَنَّ الْمَبِيْعَ خَرَجَ عَنْ مِلْكِهٖ غَيْرَ مَعِيْبٍ بِعَيْبِ الشِّرْكَةِ فَلَوْ رَدَّهُ أَحَدُهُمَا رَدَّهُ مَعِيْبًا بِهٖ وَ فِيْهِ إِلْزَامُ ضَرَرٍ زَائِدٍ، وَ لَيْسَ مِنْ ضَرُوْرَةِ إِثْبَاتِ الْخِيَارِ وَلَهُمَا الرِّضَاءُ بِرَدِّ أَحَدِهِمَا لِتَصَوُّرِ اِجْتِمَاعِهِمَا عَلَى الرَّدِّ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے فریقین کے دلائل تحریر کریں (ج) عبارتِ معلّمہ کا مطلب بیان کرتے ہوئے بتائیے کہ ضرر کو زائد کے ساتھ مقید کرنے کی وجہ کیا ہے؟

Website: MadarseWale.blogspot.com
Website: NewMadarsa.blogspot.com

الجواب

(الف) ترجمہ: اور جب دو آدمیوں نے ایک غلام اس شرط پر خریدا کہ ان دونوں کو

19

خیارِ شرط حاصل ہے، پھر ان دونوں میں سے ایک راضی ہوگیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دوسرے کو واپس کرنے کا اختیار ہے، اور اسی اختلاف پر خیارِ عیب اور خیارِ رؤیت ہے، صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ ان دونوں کے لیے خیار ثابت کرنا ان دونوں میں سے ہر ایک کے واسطے خیار ثابت کرنا ہے؛ اس لیے اس کے ساتھی کے خیار کو ساقط کرنے سے اس کا خیار ساقط نہ ہوگا؛ کیونکہ اس میں اس کے حق کا باطل کرنا ہے اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ بائع کی ملک سے مبیع ایسی حالت میں نکلی کہ اس میں شرکت کا عیب نہیں تھا، پس اگر ان دونوں میں سے ایک اس کو رد کردے تو اس عیب شرکت کے ساتھ عیب دار کر کے واپس کرے گا، حالانکہ اس میں ضررِ زائد کا الزام ہے اور دونوں کے لیے خیار ثابت کرنے سے لازم نہیں آتا ہے کہ وہ ان میں سے ایک کے راضی کرنے پر راضی ہو؛ کیونکہ دونوں کو واپس کرنے پر متفق ہونا ممکن ہے۔

(ب) مسئلہ کی وضاحت اور فریقین کے دلائل: صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ دو شخصوں نے ایک غلام اس شرط کے ساتھ خریدا کہ دونوں کے لیے خیار شرط ہے، پھر ان دونوں میں سے ایک بیع پر راضی ہوگیا تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دوسرے مشتری کا خیار باطل ہوگیا اس کو اپنے خیار کے تحت بیع رد کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اس کا خیار باقی ہے، اس کو اپنے خیار کے تحت بیع رد کرنے کا پورا پورا اختیار ہے۔ یہی اختلاف خیارِ عیب اور خیارِ رؤیت میں ہے۔ خیارِ عیب کی صورت یہ ہے کہ دو شخص نے ایک چیز بغیر دیکھے خریدی پھر دیکھ کر ایک راضی ہوگیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دوسرا مشتری خیارِ رؤیت کی وجہ سے اس کو واپس نہیں کرسکتا اور صاحبینؒ کے نزدیک واپس کرسکتا ہے۔

صاحبینؒ کی دلیل: صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ دونوں مشتریوں کے لیے خیار کا اثبات درحقیقت ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے اثبات ہے، اور جو خیار دونوں میں سے ہر ایک کے لیے ثابت ہو اس کو اگر ایک نے ساقط کردیا تو اس سے دوسرے کا

خیار ساقط نہیں ہوتا؛ کیونکہ اس میں اس دوسرے مشتری کے حق کو باطل کرنا لازم آتا ہے اور دوسرے کے حق کو باطل کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لیے صرف ایک کے خیار ساقط کرنے سے دوسرے کا خیار ساقط نہ ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مبیع بائع کی ملکیت سے ایسی حالت میں نکلی ہے کہ اس میں شرکت کا عیب نہیں تھا، اب اگر ان دونوں مشتریوں میں سے فقط ایک اس کو واپس کرے تو ایسی حالت میں واپس کرے گا کہ اس میں عیب شرکت ہے یعنی ایک مشتری (جس میں بیع رَد نہیں کی) اور بائع کے درمیان بیع مشترک ہوگئی۔

حالانکہ اِس صورت میں بائع پر ضرر زائد لازم آتا ہے اور اپنے عمل سے کسی دوسرے کو ضرر میں مبتلا کرنا شرعاً جائز نہیں ہے؛ اس لیے دونوں مشتریوں میں سے ایک کے بیع پر راضی ہونے کے بعد دوسرے مشتری کو بیع رَد کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

(ج) ضرر کو زائد کے ساتھ مقید کرنے کی وجہ کیا ہے؟ عبارت میں ضرر کو زائد کی قید کے ساتھ اس لیے مقید کیا ہے کہ رَد کے ممتنع ہونے کی صورت میں اس مشتری کا نقصان ہوگا جو بیع پر راضی نہیں ہوا؛ بلکہ اس کو رَد کرنا چاہتا ہے؛ مگر رَد بیع کے ممتنع ہونے کی صورت میں اس مشتری کا نقصان کم ہے اور رَد کرنے کی صورت میں بائع کا نقصان زیادہ ہے؛ اس لیے بائع کے نقصان کا لحاظ کرتے ہوئے واپس کرنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔

Website: MadarseWale.blogspot.com
Website: NewMadarsa.blogspot.com

صاحبین کی دلیل کا جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ دونوں مشتریوں کو خیار دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ بائع ان دونوں میں سے ایک کے واپس کرنے پر بھی راضی ہو؛ کیونکہ دونوں کا متفق ہوکر واپس کرنا ممکن ہے، پس بائع اِس بات پر راضی ہوا تھا کہ دونوں مل کر بیع پوری کریں یا دونوں متفق ہوکر واپس کریں، اس پر قطعاً راضی نہیں ہوا تھا کہ ایک بیع کو پوری کرے اور دوسرا رَد کرے۔

عبارت معلّمہ کا مطلب ملاحظہ فرمائیں: جس طرح مسئلہ مذکورہ میں امام

صاحبؒ اور صاحبینؒ کے مابین اختلاف ہے، اسی طرح خیارِ عیب اور خیارِ رؤیت میں بھی اختلاف ہے۔ خیارِ عیب کی صورت یہ ہے کہ دو شخصوں نے ایک چیز بغیر دیکھے خریدی پھر دیکھ کر ایک راضی ہو گیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دوسرا مشتری خیارِ رؤیت کی وجہ سے اس کو واپس نہیں کر سکتا اور صاحبینؒ کے نزدیک واپس کر سکتا ہے۔

سوال:۸، ہدایہ آخرین: ص/۳۰ (داخلہ ۱۴۳۰ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَخِيَارُ الْمُشْتَرِي لَايَمْنَعُ خُرُوْجَ الْمَبِيْعِ عَنْ مِلْكِ الْبَائِعِ لِأَنَّ الْبَيْعَ فِيْ جَانِبِ الْاٰخَرِ لَازِمٌ وَ هٰذَا لِأَنَّ الْخِيَارَ إِنَّمَا يَمْنَعُ خُرُوْجَ الْبَدَلِ عَنْ مِلْكِ مَنْ لَهُ الْخِيَارُ لِأَنَّهُ شُرِعَ نَظْرًا لَهُ دُوْنَ الْاٰخَرِ قَالَ إِلَّا أَنَّ الْمُشْتَرِيْ لَايَمْلِكُهُ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَؒ وَقَالَا يَمْلِكُ لِأَنَّهُ لَمَّا خَرَجَ عَنْ مِلْكِ الْبَائِعِ فَلَوْ لَمْ يَدْخُلْ فِيْ مِلْكِ الْمُشْتَرِيْ يَكُوْنُ زَائِلًا لَا إِلٰى مَالِكٍ وَلَاعَهْدَ لَنَا بِهٖ فِي الشَّرْعِ وَلِأَبِيْ حَنِيْفَةَؒ أَنَّهُ لَمَّا لَمْ يَخْرُجِ الثَّمَنُ عَنْ مِلْكِهٖ فَلَوْ قُلْنَا بِأَنَّهُ يَدْخُلُ الْمَبِيْعُ فِيْ مِلْكِهٖ لَاجْتَمَعَ الْبَدَلَانِ فِيْ مِلْكِ رَجُلٍ وَاحِدٍ حُكْمًا لِلْمُعَاوَضَةِ وَلَااَصْلَ لَهُ فِي الشَّرْعِ لِأَنَّ الْمُعَاوَضَةَ يَقْتَضِي الْمُسَاوَاةَ وَلِأَنَّ الْخِيَارَ شُرِعَ نَظْرًا لِلْمُشْتَرِيْ لِيَتَرَوّٰى فَيَقِفُ عَلَى الْمَصْلَحَةِ وَلَوْثَبَتَ الْمِلْكُ رُبَمَا يَعْتِقُ عَلَيْهِ مِنْ غَيْرِ اِخْتِيَارِهٖ بِأَنْ كَانَ قَرِيْبَهٗ فَيَفُوْتُ النَّظْرُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) زیر بحث مسئلہ میں امام صاحب اور صاحبین کے مسلک اور ان کے دلائل کی وضاحت کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: اور مشتری کا خیار مبیع کو بائع کی ملک سے نکلنے کو نہیں روکتا ہے؛

کیوں کہ بیع دوسری جانب میں لازم ہے اور یہ اس لیے کہ خیار، من لہ الخیار کی ملک سے خروج بدل کو روکتا ہے؛ کیوں کہ خیار اسی پر شفقت کرنے کے لیے مشروع ہوا ہے نہ کہ دوسرے کے واسطے، قدوری نے کہا؛ لیکن مشتری ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس مبیع کا مالک نہ ہوگا، اور صاحبین نے فرمایا کہ مشتری اس کا مالک ہوجائے گا؛ کیوں کہ مبیع جب بائع کی ملک سے نکل گئی اب اگر مشتری کی ملک میں داخل نہ ہوئی تو وہ بغیر مالک کے رائیگاں ہوگی؛ حالاں کہ شرع میں ہم کو ایسا علم نہیں دیا گیا ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب مشتری کی ملک سے ثمن نہیں نکلا پس اگر ہم کہیں کہ مبیع اس کی ملک میں داخل ہوگئی تو بحکم معاوضہ دونوں بدل ایک آدمی کی ملک میں جمع ہوجائیں گے؛ حالاں کہ شریعت میں اس کی کوئی نظیر نہیں ہے؛ کیوں کہ معاوضہ، مساوات کا تقاضہ کرتا ہے اور اس لیے کہ خیارِ مشتری، مشتری پر شفقت کرنے کے لیے مشروع ہوا ہے؛ تا کہ غور وفکر کر کے اپنی مصلحت پر واقف ہو اور اگر ملک ثابت ہوجائے تو بسا اوقات مبیع اس کی طرف سے بے اختیار آزاد ہوجائے گی، بایں طور کہ مبیع اس کا قریبی رشتہ دار ہو تو (اس کے حق میں) خیر خواہی فوت ہوجائے گی۔

(ب) زیر بحث مسئلہ میں امام صاحب اور صاحبین کا مسلک اور انکے دلائل کی وضاحت:

(۱) حضراتِ صاحبینؒ کے نزدیک مبیع بائع کی ملک سے نکل کر مشتری کی ملک میں داخل ہوجائے گی۔

Website: MadarseWale.blogspot.com
Website: NewMadarsa.blogspot.com

دلیل: اس لیے کہ جب مبیع بائع کی ملک سے نکل گئی اور اگر مشتری کی ملک میں داخل نہ ہو تو اس طرح مبیع ہلاک ہوجائے گی؛ اس لیے اس کا کسی کی ملک ہونا ضروری ہے، تو اس صورت میں وہ مشتری کی ملک میں ہوگی۔

(۲) حضرت امام صاحبؒ کا مذہب یہ ہے کہ مبیع بائع کی ملک سے نکل کر مشتری کی ملک میں داخل نہیں ہوگی۔

دلیل: یہ ہے کہ جب مشتری کو خیار ہے تو ثمن اس کی ملک سے نہیں نکلے گا اور

اگر ہم مشتری کی ملک میں مبیع کے داخل ہونے کو تسلیم کریں تو ایک آدمی کی ملک میں مبیع اور ثمن دونوں کا داخل ہونا لازم آئے گا اور بیع میں مساوات ضروری ہے اور یہ مساوات کے خلاف ہے؛ اس لیے اس کو مشتری کی ملک میں داخل قرار نہیں دیا جائے گا۔

سوال: ۹، ہدایہ آخرین: ص/۳۱ (داخلہ ۱۴۳۷ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَمَنِ اشْتَرىٰ اِمْرَأَتَهُ عَلىٰ أَنَّهُ بِالْخِيَارِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ لَمْ يَفْسُدِ النِّكَاحُ لِأَنَّهُ لَمْ يَمْلِكْهَا لِمَا لَهُ مِنَ الْخِيَارِ وَإِنْ وَطِيَهَا لَهُ أَنْ يَرُدَّهَا لِأَنَّ الْوَطِيَ بِحُكْمِ النِّكَاحِ إِلَّا إِذَا كَانَتْ بِكْرًا لِأَنَّ الْوَطِيَ يَنْقُصُهَا، وَ هٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ وَقَالَا: يَفْسُدُ النِّكَاحُ لِأَنَّهُ مَلَكَهَا وَ إِنْ وَطِيَهَا لَمْ يَرُدَّهَا لِأَنَّ وَطِيَهَا بِمِلْكِ الْيَمِيْنِ فَيَمْتَنِعُ الرَّدُّ وَإِنْ كَانَتْ ثَيِّبًا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) عبارت میں ذکر کردہ مسائل کی مع دلائل وضاحت کریں (ج) امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کے درمیان اختلاف کی بنیاد کیا ہے؟ اس کو تحریر کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: جس شخص نے اپنی بیوی کو اس شرط پر خریدا کہ اسے تین دن کا خیار ہوگا (تو اس کا) نکاح فاسد نہیں ہوگا؛ اس لیے کہ خیار کی وجہ سے وہ شخص عورت کا مالک نہیں ہوا ہے اور اگر اس کے ساتھ وطی کر لی تو بھی اسے لوٹانے کا اختیار ہے؛ کیوں کہ وطی نکاح کے حکم سے ہے الّا یہ کہ بیوی باکرہ ہو؛ اس لیے کہ وطی باکرہ میں نقص پیدا کر دیتی ہے۔ اور یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ نکاح فاسد ہو جائے گا؛ کیوں کہ وہ اس کا مالک ہو گیا ہے اور اگر اس سے وطی کر لی تو وہ واپس نہیں کر سکتا ہے؛ کیوں کہ اس کے ساتھ ملک رقبہ کی وجہ سے وطی کی ہے پس واپس کرنا ممتنع ہو جائے گا اگرچہ یہ عورت ثیبہ ہو۔

(ب) عبارت میں ذکر کردہ مسائل کی مع دلائل وضاحت: صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو خریدا جو کسی کی باندی تھی اور اس نے تین دن کا خیار لیا تو اب اس کا نکاح فاسد نہیں ہوگا اور اس کے نکاح کے فاسد نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کا مالک نہیں ہوگا؛ کیوں کہ اس کو خیار حاصل ہے اور جب مشتری کو خیار حاصل ہو تو ہمارے نزدیک مبیع اس کی ملک میں داخل نہیں ہوتی ہے اور اگر اس نے اس سے وطی کرلی تو اب بھی اس کو اس کے واپسی کا حق حاصل ہوگا اور اس وطی کو نکاح کی وجہ سے جو وطی کرنے کا حق تھا اس کی وجہ سے ہے ملکِ رقبہ کی وجہ سے نہیں ہے؛ لیکن اگر اس نے عورت سے وطی کی اور وہ عورت باکرہ تھی تو اب اس کا نکاح فاسد ہو جائے گا؛ کیوں کہ وطی باکرہ کو عیب دار کردیتی ہے اس کی واپسی متعذر ہو جائے گی اور عقد لازم ہو جائے گا اور جب عقد لازم ہو جائے تو اس کا نکاح بھی فاسد ہو جائے گا۔

حضرات صاحبینؒ کے نزدیک اس کا نکاح فاسد ہو جائے گا، اس کے اپنے شوہر کی ملک میں داخل ہونے کی وجہ سے۔

Website: MadarseWale.blogspot.com
Website: NewMadarsa.blogspot.com

صاحبینؒ کی دلیل: جب خیارِ شرط مشتری کو حاصل ہو تو مبیع بائع کی ملک سے نکل کر مشتری کی ملک میں داخل ہو جاتی ہے؛ کیوں کہ اگر بائع کی ملک سے نکل کر مشتری کی ملک میں داخل نہ ہو تو مبیع زائل ہو جائے گی؛ اس لیے اس کو مشتری کی ملک میں داخل قرار دیا جائے گا۔

امام صاحبؒ کے نزدیک نکاح فاسد نہیں ہوگا؛ کیوں کہ وہ اپنے شوہر کی ملک میں داخل نہیں ہوتی ہے خیارِ شرط ہونے کی وجہ سے۔

امام صاحبؒ کی دلیل: اگر مبیع مشتری کی ملک میں داخل ہو جائے تو مبیع اور ثمن دونوں کا ایک آدمی کی ملک میں جمع ہونا لازم آئے گا اور بیع میں مساوات ضروری ہے؛ اس لیے مبیع مشتری کی ملک میں داخل نہیں ہوگی۔

(ج) امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کے درمیان اختلاف کی بنیاد: اختلاف کی

بنیاد یہ ہے کہ بشرطِ خیار خریدی ہوئی چیز میں مشتری کے لیے صاحبینؒ کے نزدیک ملک ثابت ہو جاتی ہے اور امام صاحبؒ کے نزدیک ثابت نہیں ہوتی ہے۔

سوال: ۱۰، ہدایہ آخرین: ص۳۴۷ (داخلہ ۱۴۲۷ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَمَنِ اشْتَرىٰ دَارًا عَلىٰ أَنَّهُ بِالْخِيَارِ فَبِيْعَتْ دَارٌ أُخْرىٰ إِلىٰ جَنْبِهَا فَأَخَذَهَا بِالشُّفْعَةِ فَهُوَ رِضًا لِأَنَّ طَلَبَ الشُّفْعَةِ يَدُلُّ عَلىٰ اِخْتِيَارِهِ الْمِلْكَ فِيْهَا لِأَنَّهُ مَاثَبَتَ إِلَّا لِدَفْعِ ضَرَرِ الْجِوَارِ وَذَالِكَ بِالْاِسْتِدَامَةِ فَيَتَضَمَّنُ ذَالِكَ سُقُوْطَ الْخِيَارِ سَابِقًا عَلَيْهِ فَيَثْبُتُ الْمِلْكُ مِنْ وَقْتِ الشِّرَاءِ فَيَتَبَيَّنُ أَنَّ الْجِوَارَ كَانَ ثَابِتًا وَ هٰذَا التَّقْرِيْرُ يُحْتَاجُ إِلَيْهِ لِمَذْهَبِ أَبِي حَنِيْفَةَ خَاصَّةً.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) دلیل کی وضاحت کریں (ج) اور بتلائیے کہ صرف امام ابو حنیفہؒ ہی کے مذہب پر تقریر مذکور کی کیوں حاجت ہے اور صاحبینؒ کے مذہب پر کیوں نہیں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: اور اگر کسی نے ایک مکان بشرطِ خیار خریدا، پھر دوسرا مکان اس کے پہلو میں فروخت ہوا پھر اس دوسرے مکان کو مشتری نے بطورِ شفعہ کے لے لیا تو یہ (بیع پر) رضامندی ہے؛ کیوں کہ شفعہ طلب کرنا دارِ مبیعہ میں مشتری کے ملکیت اختیار کرنے پر دلالت کرتا ہے؛ اس لیے کہ شفعہ نہیں ثابت ہوا؛ مگر پڑوس کے ضرر کو دور کرنے کے لیے اور یہ بات دائمی ملکیت طلب کرنے سے حاصل ہوگی۔ پس طلبِ شفعہ متضمن ہوگا کہ طلبِ شفعہ سے پہلے خیار ساقط ہو جائے؛ لہٰذا خریدنے کے وقت سے ملکیت ثابت ہو جائے گی اور ظاہر ہوگا کہ پڑوس ثابت تھا اور اس تقریر کی احتیاج خاص طور پر ابو حنیفہؒ کے مذہب کے واسطے ہے۔

(ب، ج) دلیل کی وضاحت اور صرف امام ابو حنیفہؒ ہی کے مذہب پر تقریر مذکور کی کیوں حاجت ہے صاحبینؒ کی کیوں نہیں؟

پہلے جاننا چاہیے کہ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک مکان تین دن کے خیار کی شرط کے ساتھ خریدا، پھر مدتِ خیار میں اس کے پہلو میں دوسرا مکان فروخت ہوا، اور مشتری نے حق کا دعویٰ کر کے اس دوسرے مکان کو لے لیا، تو یہ شفعہ کا دعویٰ کرنا بیع پر رضامندی کا اظہار ہے، اس کی وجہ سے مشتری کا خیار ساقط ہو جائے گا۔

دلیل: یہ ہے کہ مشتری کا شفعہ طلب کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مشتری دارِ مبیعہ میں اپنی ملکیت ثابت کرنا چاہتا ہے؛ کیوں کہ شفعہ پڑوس کا ضرر دُور کرنے کے لیے ثابت ہوتا ہے اور پڑوس ثابت ہوگا خریدے ہوئے مکان میں دائمی ملکیت ثابت کرنے سے اور دائمی ملکیت ثابت کرنا ملکیت کا تقاضہ کرتا ہے اور "ملک" خیار کے ساتھ ثابت نہیں ہوتی، پس خیار ساقط ہو کر خریدنے سے دارِ مبیعہ میں ملک ثابت اور ظاہر ہو جائے گا کہ دوسرے مکان کی بیع کے وقت جوار اور پڑوس ثابت تھا۔

صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ تقریر خاص طور پر امام ابو حنیفہؒ کے مذہب پر ہوگی؛ کیوں کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خیار مشتری کی ملک میں داخل ہو جاتا ہے، اس وجہ سے مشتری کے لیے دوسرے مکان کو حق شفعہ کا دعویٰ کر کے لینے میں کوئی اشکال ہی نہیں ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

سوال: ۱۱، ہدایہ آخرین: ص ۴۲ (داخلہ ۱۴۳۴ھ)

(الف) عبارت با اعراب: فَإِنْ قَطَعَ الثَّوْبَ وَخَاطَهُ أَوْ صَبَغَهُ أَحْمَرَ أَوْ لَتَّ السَّوِيْقَ بِسَمَنٍ ثُمَّ اطَّلَعَ عَلٰى عَيْبٍ رَجَعَ بِنُقْصَانِهِ لِامْتِنَاعِ الرَّدِّ بِسَبَبِ الزِّيَادَةِ لِأَنَّهُ لَا وَجْهَ إِلَى الْفَسْخِ فِي الْأَصْلِ بِدُوْنِهَا لِأَنَّهَا لَا تَنْفَكُّ عَنْهُ وَلَا وَجْهَ إِلَيْهِ مَعَهَا لِأَنَّ الزِّيَادَةَ لَيْسَتْ بِمَبِيْعَةٍ فَامْتَنَعَ أَصْلًا وَلَيْسَ لِلْبَائِعِ

أَنْ يَأْخُذَهُ لِأَنَّ الْاِمْتِنَاعَ لِحَقِّ الشَّرْعِ لَا لِحَقِّهِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) عبارت کی اطمینان بخش تشریح کریں (ج) بتائیں کہ رجوع بالنقصان کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب

(الف) ترجمہ: پھر اگر کپڑا کاٹ کر اس کو سلایا یا اس کو سرخ رنگ میں رنگا یا ستو کو گھی کے ساتھ ملایا پھر کسی عیب پر واقف ہوا، تو اس کا نقصان واپس لے لے؛ کیونکہ زیادتی کی وجہ سے بیع واپس کرنا ممتنع ہے؛ اس لیے اصل بیع میں بغیر زیادتی کے فسخ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے؛ کیونکہ زیادتی اس سے جدا نہیں ہوسکتی ہے اور زیادتی کے ساتھ بھی فسخ کرنیکی کوئی وجہ نہیں ہے؛ کیونکہ زیادتی مبیع نہیں ہے؛ اس لیے واپس کرنا بالکل ممتنع ہوگیا اور بائع کو زیادتی کے ساتھ مبیع لینے کا اختیار نہیں ہے؛ کیونکہ واپسی کا ممتنع ہونا حقِ شرع کی وجہ سے ہے نہ کہ بائع کے حق کی وجہ سے۔

(ب) عبارت کی اطمینان بخش تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر مشتری نے کپڑا کاٹ کر سِلا لیا یا اس کپڑے کو سرخ رنگ میں رنگوادیا یا ستو خرید کر اس میں گھی یا مکھن ملا دیا، پھر اس عیب پر واقف ہوا جو بائع کے پاس پیدا ہوا تھا، تو مشتری نقصانِ عیب واپس لے سکتا ہے؛ کیونکہ مبیع کے ساتھ ایک زائد چیز مخلوط ہونے کی وجہ سے مبیع کا واپس کرنا ممتنع ہوگیا، اِس طور پر کہ اصل مبیع میں بیع یا تو بغیر زیادتی کے فسخ کرے گا یا زیادتی کے ساتھ اور یہ دونوں صورتیں ممکن نہیں ہیں، اوّل تو اس لیے کہ شئ زائد اصل مبیع سے جدا نہیں ہوسکتی ہے، پس بغیر شئ زائد کے اصل مبیع بیع فسخ کرنا کس طرح ممکن ہوسکتا۔

اور دوسری صورت اس لیے ممکن نہیں ہے کہ شئ زائد مبیع نہیں ہے اور ''فسخ بیع'' مبیع کے اندر ہوتا ہے غیر مبیع کے اندر نہیں ہوتا؛ اس لیے زیادتی کے ساتھ فسخ کرنا بھی ممکن نہ ہوگا، پس جب بیع فسخ کر کے مبیع واپس کرنا بالکل ممتنع ہوگیا تو مشتری سے ضرر

دُور کرنے کے لیے مشتری کو نقصانِ عیب واپس لینے کا مجاز قرار دیا گیا ہے۔

(ج) بتائیں کہ رجوع بالنقصان کی کیا صورت ہوگی؟ بائع سے نقصانِ عیب لینے کی صورت یہ ہے کہ اگر ثمن ادا نہیں کیا تو اس عیب کے بقدر ثمن کم کر دے گا اور اگر ثمن ادا کر چکا تو اس عیب کے بقدر ثمن واپس لے لے۔ (احسن الہدایہ: ۸/۱۲۳)

سوال: ۱۲، ہدایہ آخرین: ص ۴۴ (داخلہ ۱۴۳۶ھ)

(الف) عبارت با اعراب: وَمَنِ اشْتَرىٰ عَبْدًا فَقَبَضَهٗ فَادَّعىٰ عَيْبًا لَمْ يُجْبَرْ عَلٰى دَفْعِ الثَّمَنِ حَتّٰى يَحْلِفَ الْبَائِعُ أَوْ يُقِيْمَ الْمُشْتَرِيْ الْبَيِّنَةَ لِأَنَّهٗ اَنْكَرَ وُجُوْبَ دَفْعِ الثَّمَنِ حَيْثُ اَنْكَرَ تَعَيُّنَ حَقِّهٖ بِدَعْوَى الْعَيْبِ وَدَفْعَ الثَّمَنِ أَوَّلًا لِيَتَعَيَّنَ حَقُّهٗ بِإِزَاءِ تَعَيُّنِ الْمَبِيْعِ وَلِأَنَّهٗ لَوْ قَضٰى بِالدَّفْعِ فَلَعَلَّهٗ يَظْهَرُ الْعَيْبُ فَيُنْتَقَضُ الْقَضَاءُ فَلَا يَقْضِيْ بِهٖ صَوْنًا لِقَضَائِهٖ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مدعی اور مدعی علیہ کی تعریف، خصومت میں دونوں کا عمل اور قاضی کے فیصلہ کی ترتیب بیان کریں (ج) پھر مسئلہ اور اس کی دونوں دلیلوں کی مکمل تشریح کریں اور بتائیں کہ اگر مشتری کہہ دے (شهودی بالشام) تو کیا حکم ہے؟

Website: MadarseWale.blogspot.com
Website: NewMadarsa.blogspot.com

الجواب

(الف) ترجمہ: اور جس نے غلام خرید کر اس پر قبضہ کیا پھر اس میں عیب کا دعویٰ کیا تو اس کو ثمن دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، یہاں تک کہ بائع قسم کھائے یا مشتری گواہ قائم کرے؛ اس لیے کہ جب مشتری نے عیب کا دعویٰ کر کے اپنے حق متعین سے انکار کیا تو اپنے اوپر ادائے ثمن واجب ہونے کا انکار کیا؛ حالاں کہ (مشتری پر) پہلے ثمن ادا کرنا اسی وجہ سے (واجب ہوا تھا) کہ بائع کا حق مبیع متعین ہونے کے مقابلہ میں متعین

ہو جائے اور اس لیے کہ اگر قاضی نے ثمن ادا کرنے کا فیصلہ کیا تو ممکن ہے کہ عیب ظاہر ہو کر فیصلہ ٹوٹ جائے، پس اپنے حکم کی حفاظت کے واسطے قاضی حکم نہیں کرے گا۔

(ب) مدعی اور مدعیٰ علیہ کی تعریف:

المدعي: هو الذي ينسب إلى نفسه استحقاق الشيء المدعى به، ويطالب بتسليمه إياه.

المدعى عليه: هو الذي ينفي مادعاه المدعي وزعمه، وينكر استحقاق المدعى عليه.

وقال بعض: المدعي من يدعي ويتمسک بماليس بثابت.

والمدعى عليه: من يتمسک بماهو ثابت.

خصومت میں دونوں کا عمل: خصومت کے وقت مدعی بینہ پیش کرے گا اور اگر بینہ نہ ہو تو مدعیٰ علیہ پر یمین لازم آئے گا؛ کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "البينة على المدعي واليمين على من انكر".

قاضی کے فیصلہ کی ترتیب: قاضی پہلے مدعی سے بینہ طلب کرے گا، اگر مدعی بینہ پیش کرنے پر قادر نہ ہو تو مدعیٰ علیہ کو یمین پر مجبور کرے گا۔

(ج) مسئلہ اور اس کی دونوں دلیلوں کی مکمل تشریح: صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کوئی غلام خریدا اور قبضہ کرنے کے بعد اس غلام میں کسی عیب کا دعویٰ کیا تو اس کے دعویٰ کے بعد اسے ثمن ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا اور اس وقت تک نہیں کیا جائے گا جب تک کہ بائع عدمِ عیب کی قسم نہ کھالے اگر بائع نے قسم کھالی تو اب مشتری کو ثمن ادا کرنے پر مجبور کیا جائے گا اور قاضی زبردستی اس سے ثمن وصول کر کے بائع کو دے گا یا مشتری کو اپنے دعویٰ پر بینہ پیش کرنے کا مکلف بنایا جائے گا، اگر اس نے بینہ پیش کر دیا تو اس کو مبیع واپس کرنے کا اختیار ہوگا اور دعویٔ عیب کے بعد مشتری کو ادائے ثمن پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

اس کی پہلی دلیل: یہ ہے کہ جب مشتری نے عیب کا دعویٰ کر کے اپنا حق

متعین ہونے سے انکار کر دیا تو اپنے اوپر ادائے ثمن واجب ہونے سے انکار کیا؛ کیوں کہ جب مبیع کے اندر عیب ہے تو مبیع واپسی کے لائق ہے اور جب مبیع واپسی کے لائق ہے تو مشتری کا حق اس میں متعین ہی نہ ہوا، اور جب مشتری کا حق نہیں ہوا تو اس پر ادائے ثمن بھی واجب نہیں ہوا۔

Website: MadarseWale.blogspot.com
Website: NewMadarsa.blogspot.com

حالاں کہ مشتری پر پہلے ثمن ادا کرنا اسی وجہ سے واجب ہوا تھا کہ بائع کا حق بھی ثمن میں متعین ہو جائے جس طرح مشتری کا حق مبیع میں متعین ہوا ہے اور عیب کا دعویٰ کرنے کی وجہ سے چوں کہ مبیع میں اس کا حق متعین نہیں ہوا؛ اس لیے اس پر بھی پہلے ادائے ثمن واجب نہ ہوگا۔

دوسری دلیل: یہ ہے کہ اگر قاضی مشتری پر ثمن دینے کا حکم کرے اور پھر عیب ظاہر ہو جائے تو قاضی کا فیصلہ ٹوٹ جائے گا؛ اس لیے اپنے حکم کی حفاظت کی خاطر قاضی ثمن ادا کرنے کا حکم نہ کرے اور جب قاضی حکم نہیں کرے گا تو مشتری کو ادائے ثمن پر مجبور بھی نہیں کیا جائے۔

مشتری اگر (شهودي بالشام) کہہ دے تو کیا حکم ہے؟ اگر مشتری نے کہا کہ میرے گواہ ملک شام میں ہیں تو اس کو ان کے آنے کی مہلت نہیں دی جائے گی؛ اس لیے کہ اس مہلت دینے میں بائع کا ضرر ہے، تو بائع سے قسم لی جائے گی اور ثمن دلایا جائے گا۔

سوال: ۱۳۰، ہدایہ آخرین: ص/۴۶

(الف) عبارت بااعراب: وَمَنِ اشْتَرىٰ عَبْدَيْنِ صَفْقَةً وَاحِدَةً فَقَبَضَ أَحَدَهُمَا وَوَجَدَ بِالْآخَرِ عَيْبًا فَإِنَّهُ يَأْخُذُهُمَا أَوْ يَدَعُهُمَا؛ لِأَنَّ الصَّفْقَةَ تَتِمُّ بِقَبْضِهِمَا فَيَكُوْنُ تَفْرِيْقُهَا قَبْلَ التَّمَامِ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ، وَلَوْ قَبَضَهُمَا ثُمَّ وَجَدَ بِأَحَدِهِمَا عَيْبًا يَرُدُّهُ خَاصَّةً.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ و مطلب بیان کریں (ب) تفریقِ صفقہ

قبل التمام اور تفریقِ صفقہ بعد التمام کی توضیح کریں اور بتائیے کہ تفریقِ صفقہ قبل التمام ناجائز کیوں ہے؟ (ج) پہلی صورت میں واپس کرنا درست نہیں اور دوسری صورت میں ایک کو واپس کرنا درست ہے، اس کا فرق بیان کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: جس شخص نے ایک عقد میں دو غلام خریدے پھر ان میں سے ایک پر قبضہ کرلیا اور ایک میں عیب پایا تو ان دونوں کو ایک ساتھ لے لے گا یا دونوں کو ایک ساتھ چھوڑ دے گا؛ اس لیے کہ صفقہ دونوں پر قبضہ کرنے سے تام ہوگیا؛ لہٰذا ایک کے قبضہ سے صفقہ تام ہونے سے پہلے تفریق صفقہ لازم آئے گا اور ہم اسے بیان کرچکے ہیں، اور اگر مشتری نے دونوں غلاموں پر قبضہ کرلیا تھا پھر ان میں سے کسی ایک میں اس نے عیب پایا تو وہ تنہا اس معیوب کو واپس کرسکتا ہے۔

عبارت کا مطلب: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے ایک ہی عقد کے تحت دو غلاموں کو خریدا اور دو غلاموں میں سے ایک پر قبضہ کرلیا اور جس پر قبضہ نہیں کیا مشتری کو اس میں عیب نظر آیا تو اب اس صورت میں مشتری یا تو ایک ساتھ دونوں غلاموں کو لے لے یا دونوں کو واپس کردے ایسا نہیں کرسکتا ہے کہ معیوب کو چھوڑ کر غیر معیوب کو لے لے؛ اس لیے کہ جب اس نے ایسا ہی صفقہ میں دونوں کو خریدا ہے تو ظاہر ہے کہ صفقہ اسی وقت مکمل ہوگا جب دونوں پر قبضہ ہوجائے گا ایک پر قبضہ سے صفقہ تام نہیں ہوگا۔

اگر اس صورت میں بیع کی اجازت دے دی جائے تو تفریق صفقہ قبل التمام لازم آئے گا اور تفریق قبل التمام جائز نہیں ہے، اگر اس نے دونوں غلاموں پر قبضہ کرلیا اس کے بعد ان میں سے کوئی ایک عیب دار نظر آیا تو اب اس کو ان میں سے عیب دار کو واپس کرنے کا حق ہوگا، اگرچہ یہاں بھی تفریق صفقہ لازم آتا ہے؛ لیکن یہ بعد التمام ہے اور بعد التمام درست ہے۔

(ب) تفریقِ صفقہ قبل التمام اور تفریقِ صفقہ بعد التمام کی توضیح:

(۱) تفریقِ صفقہ قبل التمام کی صورت یہ ہے کہ کسی نے دو چیزیں خریدیں اور ثمن ادا کرنے سے پہلے ان دونوں میں سے کسی ایک کو لینے پر رضامند ہو تو یہ تفریقِ صفقہ قبل التمام ہے اور اس میں بائع کا نقصان ہے۔

(۲) اور تفریقِ صفقہ بعد التمام کی صورت یہ ہے کہ کسی نے دو چیزیں خریدیں مثلاً دو غلام خریدے اور اس پر قبضہ کرلیا؛ لیکن اس میں کوئی عیب نکل آیا تو اب اس ایک معیوب غلام کو واپس کرنے کا حق ہوگا اور یہ واپسی تفریقِ صفقہ ہے؛ لیکن بعد التمام۔

تفریقِ صفقہ قبل التمام ناجائز کیوں ہے؟ تفریقِ صفقہ قبل التمام اس لیے ناجائز ہے؛ کیوں کہ قبضہ یہ عقد کے مشابہ ہے اور عقد کے مشابہ اس طرح سے ہے کہ عقد کے ذریعہ انسان ملک رقبہ کا مالک ہوکر شئے معقود میں تصرف وغیرہ کا مالک ہوجاتا ہے اسی طرح قبضہ سے بھی انسان تصرف فی المبیع کا مالک ہوجاتا ہے اسی مشابہت کی وجہ سے دونوں کا حکم بھی ایک ہے یعنی تفریق فی العقد ناجائز ہے اور تفریقِ صفقہ قبل التمام بھی ناجائز ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ج) پہلی صورت میں واپس کرنا درست نہیں اور دوسری صورت میں ایک کو واپس کرنا درست ہے، اس کا فرق:

پہلی صورت میں واپسی قبل التمام تھی؛ اس لیے یہ درست نہیں ہے؛ کیوں کہ تفریقِ صفقہ قبل التمام درست نہیں ہے اور دوسری صورت میں واپسی بعد التمام تھی اور واپسی بعد التمام درست ہے؛ اس لیے اس کو واپسی کا حق دیا ہے۔

سوال: ۱۴، ہدایہ آخرین: ص ر ۴۷

(الف) عبارت با اعراب: وَمَنِ اشْتَرٰى جَارِيَةً فَوَجَدَ بِهَا قُرْحًا فَدَاوَاهَا أَوْ كَانَتْ دَابَّةً فَرَكِبَهَا فِيْ حَاجَتِهٖ فَهُوَ رِضًا؛ لِأَنَّ ذٰلِكَ دَلِيْلُ قَصْدِهٖ

الْاِسْتِبْقَاءَ بِخِلَافِ خِيَارِ الشَّرْطِ؛ لِأَنَّ الْخِيَارَ هُنَاكَ لِلْاِخْتِبَارِ وَأَنَّهُ بِالْاِسْتِعْمَالِ فَلَا يَكُوْنُ الرُّكُوْبُ مُسْقِطًا وَإِنْ رَكِبَهَا لِيَرُدَّهَا عَلٰى بَائِعِهَا أَوْ لِيَسْقِيَهَا أَوْ لِيَشْتَرِيَ لَهَا عَلَفًا فَلَيْسَ بِرِضًا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں اور عبارت میں ذکر کردہ مسئلہ کی تشریح کرتے ہوئے دلیل کو سمجھائیں (ب) بخلاف الشرط کا مقصد پوری طرح واضح کریں (ج) عیب پر مطلع ہونے کے بعد جانور پر سوار ہونا خیارِ عیب کو ساقط کرنے والا کیوں ہے اور خیارِ شرط میں سواری کرنا خیارِ شرط کو کیوں ساقط کرنے والا نہیں ہے؟ (د) ذٰلک وھناک کا مشارٌ الیہ اور قصدہ کی ضمیر کا مرجع متعین کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: اگر کسی شخص نے کوئی باندی خریدی پھر اس میں زخم پایا تو اس نے اس کی دوا کرادی یا مبیع سواری تھی اور مشتری اپنی ضرورت سے اس پر سوار ہو گیا تو یہ چیز رضا مندی پر دلیل ہے؛ اس لیے کہ یہ چیزیں مبیع کو باقی رکھنے کے ارادے پر دلیل ہیں برخلاف خیارِ شرط کے؛ اس لیے کہ وہاں خیار آزمائش کے لیے ہوتا ہے اور استعمال ہی سے آزمائش ممکن ہے، لہٰذا اس میں سوار ہونے سے خیار ساقط نہ ہوگا اور اگر بائع کو وہ مبیع واپس کرنے کے لیے سوار ہوا یا دابہ کو پانی پلانے کے لیے یا اس کے لیے چارہ گھاس خریدنے کے لیے اس پر سوار ہوا تو یہ رضا مندی نہیں ہوگی۔

عبارت میں ذکر کردہ مسئلہ کی تشریح مع دلیل: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی باندی خریدی اور اس کو زخمی پایا یا اگر کوئی سواری خریدی اور اس میں بھی زخم پایا؛ لیکن پہلی صورت میں مشتری نے باندی کا علاج کرادیا، سواری کی صورت میں وہ اس پر سوار ہو گیا تو مشتری دونوں صورتوں میں حقِ رَد سے محروم ہو جائے گا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ جب مشتری نے عیب جاننے کے بعد علاج کروایا یا جانور

پر سوار ہو گیا تو اس کا یہ فعل رضائے عیب پر دلیل بن گیا اور جب مشتری عیب سے راضی ہو گیا تو ظاہر ہے کہ اسے حق رَد حاصل نہیں ہوگا؛ البتہ اگر اس نے خیارِ شرط کے تحت خریدا تھا تو اس صورت میں خریدے ہوئے جانور پر سوار ہونے سے مشتری کا حقِ رَد ختم نہیں ہوگا۔

Website: MadarseWale.blogspot.com
Website: NewMadarsa.blogspot.com

دلیل: یہ ہے کہ خیارِ شرط کا مقصد ہی اختبار و آزمائش ہے اور استعمال کرنے ہی سے اس کا پتہ چلے گا، لہٰذا خیارِ شرط کی صورت میں ایک مرتبہ سوار ہونے سے خیار ساقط نہیں ہوگا اور اگر مشتری نے کوئی بیل یا اونٹ وغیرہ خریدا اور اس میں اسے عیب نظر آیا اور واپسی کی نیت سے وہ اس پر سوار ہو کر بائع کے یہاں جانے لگا تو اس صورت میں اس کی سواری مسقط حق رَد نہیں ہوگی۔

(ب) بخلاف الشرط کا مقصد: اگر جانور کو خیارِ شرط پر خریدا ہے تو اب اگر اس جانور پر سواری کرتا ہے تو یہ خیارِ شرط کو ختم کرنے والا نہیں ہوگا؛ کیوں کہ خیارِ شرط کا مقصد تو اختبار اور آزمائش ہوتا ہے اور اس کے عمدہ اور خراب ہونے کا اندازہ سواری کرنے ہی سے ہو سکتا ہے؛ اس لیے خیارِ شرط میں سوار ہونا مسقط خیار نہیں ہوگا۔

(ج) عیب پر مطلع ہونے کے بعد جانور پر سوار ہونا....: خیارِ عیب پر مطلع ہونے کے بعد جانور پر سوار ہونا خیارِ عیب کو ختم کرنے والا ہے؛ اس لیے کہ اس سواری پر اس کا اپنی ضرورت سے سوار ہونا یہ رضامندی کی دلیل ہے "**لأن الركوب للحاجة دليل قصده**" سے مصنف یہی بتانا چاہتے ہیں اور خیارِ شرط میں سواری پر سوار ہونا خیارِ شرط کو ساقط کرنے والا نہیں ہے؛ کیوں کہ خیارِ شرط کا مقصد صرف آزمائش ہے اور سوار ہونے کے بعد ہی عمدہ اور خراب کا اندازہ ہو سکتا ہے، "**لأن الخيار هناك للاختبار وانه بالاستعمال فلايكون الركوب مسقطا**"، سے یہی کہنا چاہتے ہیں۔

(د) ذٰلک اور ھنا کا مشار الیہ: ذٰلک کا مشار الیہ "مداوات" اور "رکوب" میں سے ہر ایک ہے۔

اور "هناک" کا مشارٌ الیہ خیارِ شرط ہے۔

قصدہ کی ضمیر کا مرجع: قصدہ میں ضمیر مجرور کا مرجع "الاستبقاء" ہے، اضمار قبل الذکر کے قاعدہ کے تحت۔

سوال: ۱۵، ہدایہ آخرین: ص ۴۷

(الف) عبارت با اعراب: مَنِ اشْتَرىٰ عَبْدًا قَدْ سَرَقَ وَلَمْ يَعْلَمْ بِهٖ فَقُطِعَ عِنْدَ الْمُشْتَرِيْ، لَهٗ أَنْ يَّرُدَّهٗ وَيَأْخُذَ الثَّمَنَ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَؒ: وَقَالَا يَرْجِعُ بِمَا بَيْنَ قِيْمَةِ سَارِقًا إِلٰى غَيْرِ سَارِقٍ وَعَلٰى هٰذَا الْخِلَافِ إِذَا قُتِلَ بِسَبَبٍ وُجِدَ فِيْ يَدِ الْبَائِعِ وَالْحَاصِلُ أَنَّهٗ بِمَنْزِلَةِ الْإِسْتِحْقَاقِ عِنْدَهٗ وَ بِمَنْزِلَةِ الْعَيْبِ عِنْدَهُمَا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب تحریر کریں (ج) ائمہ کا اختلاف مع دلیل تحریر کریں (د) یہ اختلاف جس اختلاف پر مبنی ہے اس کو بھی تحریر کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: اگر کسی شخص نے ایسا غلام خریدا جس نے چوری کر رکھی ہے اور مشتری کو اس کا علم نہیں ہے، پھر مشتری کے پاس اس کا ہاتھ کاٹا گیا تو حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک مشتری کو وہ غلام واپس کر کے پورا ثمن لینے کا اختیار ہے۔ حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مشتری چور اور غیر چور غلام کی قیمت میں جو فرق ہو وہ لے لے اور اسی اختلاف پر ہے جب غلام کو بائع کے قبضہ میں موجود کسی سبب کی وجہ سے قتل کر دیا گیا۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ غلام کا یہ عیب امام صاحبؒ کے نزدیک استحقاق کے درجہ میں ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک عیب کے زمرے میں ہے۔

(ب) عبارت کا مطلب: صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک غلام ہے اور اس نے کوئی سامان چوری کر رکھا ہے اب ایک شخص اسے خریدتا ہے اور اس کو غلام کی چوری کا کوئی علم نہیں ہے اور اس نے خریدنے کے بعد قبضہ کرلیا، تو مشتری کے پاس آنے کے بعد سابق چوری کی پاداش میں اس کا ہاتھ کاٹ لیا گیا۔

تو اس صورت میں امام صاحبؒ کے نزدیک مشتری اس غلام کو واپس کردے گا اور پورا ثمن واپس لے لے گا اور حضراتِ صاحبینؒ کے نزدیک ایک چور غلام اور ایک چوری سے پاک غلام کی قیمت میں جو فرق ہوگا اس کے بقدر ثمن واپس لے لے گا اور امام صاحبؒ اور حضراتِ صاحبینؒ کا یہ اختلاف ایک دوسرے اختلاف پر مبنی ہے کہ جب غلام مشتری کے پاس کسی ایسے جرم کی وجہ سے قتل کردیا جائے جو جرم بائع کے یہاں موجود تھا مثلاً بائع کے پاس ہوتے ہوئے کسی کو قتل کردیا اور اس قتل کی وجہ سے مشتری کے پاس جاکر اس کو قصاصاً قتل کردیا جائے تو اب اس میں مذکورہ اختلاف ہوگا۔

اس اختلاف کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت امام صاحبؒ کے یہاں غلام کا قطعِ ید کا مستحق ہونا استحقاق یعنی اس کے کسی دوسرے کا مستحق نکلنے کی طرح ہے اور استحقاق کی صورت میں مشتری کو مبیع کو واپس کرنے کا حق ہوتا ہے۔

حضراتِ صاحبینؒ کے یہاں غلام کا مستحق قطعِ ید ہونا عیب کے درجے میں ہے اور جب مبیع معیوب ہو اور واپسی متعذر ہو تو اس کو رجوع بنقصان العیب کا حق ہوتا ہے ایسا اس مسئلہ میں ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ج) ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل: حضراتِ صاحبینؒ کے نزدیک چور اور غیر چور غلام کی قیمت میں جو فرق ہوگا اس کے بقدر بائع سے ثمن واپس لے لے گا۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اگرچہ قطع ید اور قتل کا سبب بائع کے قبضے میں پایا گیا ہے؛ لیکن اس کے باوجود یہ سبب نہ تو غلام کی مالیت کے منافی ہے اور نہ ہی اس میں نفاذ عقد کے منافی ہے، لہٰذا جب عقد نافذ ہوگیا تو اب ظہورِ عیب کی وجہ سے چوں کہ غلام کی

واپسی متعذر ہے؛ اس لیے مشتری رجوع بنقصان العیب کا حق دار ہوگا۔

حضرات امام صاحبؒ کا مذہب یہ ہے کہ مشتری اس غلام کو واپس کردے اور بائع سے اپنا پورا ثمن وصول کرے۔

حضرت امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ غلام کے مستحق قطعِ ید اور اس کے مباح الدم ہونے کا سبب بائع کے قبضے میں پایا گیا ہے اور اسی کے یہاں اس پر قطعِ ید یا قتل واجب ہوا ہے اور کسی چیز کا وجوب اس کے وجود کا سبب بنتا ہے، لہٰذا بائع کے قبضے میں غلام پر قطعِ ید وغیرہ کا واجب ہونا ایسا ہے کہ گویا اسی کے قبضے میں غلام کا ہاتھ کاٹ دیا گیا ہو اور اگر غلام بائع کے قبضے میں معیوب ہوجاتا ہے تو وہ مستحق کے مثل ہوجاتا ہے اور مبیع کے استحقاق کی صورت میں مشتری پورا ثمن واپس لینے کا مجاز ہوتا ہے، لہٰذا اس مسئلہ میں بھی پورا ثمن واپس لینے کا حق دار ہوگا۔

(د) یہ اختلاف کس اختلاف پر مبنی ہے؟ یہ اختلاف اُس اختلاف پر مبنی ہے کہ جب غلام کو قتل کردیا کسی ایسے سبب سے جو سبب بائع کے پاس موجود تھا تو اس صورت میں امام صاحبؒ اور حضراتِ صاحبینؒ کا مذکورہ اختلاف ہے۔

سوال: ۱۶، ہدایہ آخرین: ص/۴۸

(الف) عبارت بااعراب: وَمَنْ بَاعَ عَبْدًا وَشَرَطَ الْبَرَائَةَ مِنْ كُلِّ عَيْبٍ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَرُدَّهُ بِعَيْبٍ وَإِنْ لَمْ يُسَمِّ الْعُيُوْبَ بِعَدَدِهَا، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَاتَصِحُّ الْبَرَائَةُ بِنَاءً عَلٰى مَذْهَبِهِ أَنَّ الْإِبْرَاءَ عَنِ الْحُقُوْقِ الْمَجْهُوْلَةِ لَايَصِحُّ، هُوَ يَقُوْلُ: إِنَّ فِي الْإِبْرَاءِ مَعْنَى التَّمْلِيْكِ حَتّٰى يَرْتَدَّ بِالرَّدِّ، وَتَمْلِيْكُ الْمَجْهُوْلِ لَايَصِحُّ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب تحریر کریں (ج) امام صاحبؒ مجہول کی تملیک کو کیوں جائز کہتے ہیں؟ جب کہ اس میں منازعہ کا

اندیشہ ہے، اس کی وضاحت کریں (د) اس براءۃ میں عند العقد موجود عیب کے ساتھ بعد العقد قبل القبض عیب کی برائت داخل ہے یا نہیں؟ اگر اختلاف ہو تو ہر امام کا نام ان کی دلیل کے ساتھ تحریر کریں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

الجواب

ترجمہ: جس شخص نے کوئی غلام فروخت کیا اور ہر عیب سے بری ہونے کی شرط لگا دی تو مشتری کو کسی بھی عیب کی وجہ سے غلام واپس کرنے کا اختیار ہوگا اگرچہ اس نے جملہ عیوب کی تعداد بیان نہ کی ہو، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ (بائع کی جانب سے یہ) برائت صحیح نہ ہوگی، اور یہ قول ان کے اس مذہب پر مبنی ہے کہ حقوقِ مجہولہ کا ابراء صحیح نہیں ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ابراء میں تملیک کا معنیٰ موجود ہے، یہاں تک کہ (مدیون) کے رَد کرنے سے ابراء رَد ہو جاتا ہے، اور مجہول کا مالک بنانا صحیح نہیں ہے۔

(ب) عبارت کا مطلب: صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنا غلام فروخت کیا اور یوں کہا کہ میرا یہ غلام ہر طرح کے عیوب سے بری ہے، اور مشتری نے اسے قبول کرلیا، تو اب مشتری کسی بھی عیب کی وجہ سے غلام واپس کرنے کا حق دار نہیں ہوگا، خواہ بائع نے ہر عیب کا نام لے کر انہیں شمار کیا ہو یا نہ کیا ہو، اسی طرح خواہ بائع اور مشتری دونوں کو وہ عیب معلوم ہو یا نہ ہو، بہر حال بائع کی جانب سے برائت کے بعد اگر مشتری اس کو قبول کر لیتا ہے، تو بعد میں حق رَد حاصل نہیں ہوگا۔

امام شافعیؒ کی دلیل: یہ ہے کہ ابراء میں مالک بنانے کے معنیٰ پائے جاتے ہیں اور عیوب حقوق مجہولہ میں سے ہے؛ اس لیے ان کی تملیک بھی درست نہیں ہے۔

ابراء میں تملیک کے معنیٰ اس طرح موجود ہیں کہ اگر مثلاً زید کا بکر پر قرض ہے اور زید نے اس قرض کو معاف کر دیا؛ لیکن بکر نے اس معافی کو رَد کر دیا، تو اس کا ابراء کو رَد کرنا درست ہے۔ اگر ابراء میں تملیک کے معنیٰ ہوتے تو رَد صحیح نہیں ہوتا، اور اس کا

قرض معاف ہو جاتا، تو معلوم ہوا کہ اس میں تملیک کا معنیٰ موجود نہیں ہے، اور مجہول چیزوں کی تملیک درست نہیں ہے؛ اس لیے صورتِ مسئلہ میں ابراء عن العیوب بھی درست نہیں ہوگی۔

(ج) امام صاحبؒ مجہول کی تملیک کو کیوں جائز کہتے ہیں؟ مجہول کی تملیک اس وقت ناجائز ہوگی جب کہ وہ مفضی الی النزاع ہو اور اگر مفضی الی النزاع نہیں ہے تو اس کی تملیک درست ہے، اور یہاں پر مفضی الی النزاع نہیں ہے۔

(د) اختلافِ ائمہ مع دلائل: برأت عند العقد موجود عیب کے ساتھ بعد العقد قبل القبض عیب کی براءت کے داخل ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف ہے۔

(۱) امام ابو یوسفؒ کے یہاں اس براءت میں بوقتِ عقد موجود اور بعد العقد قبل القبض پیش آنے والا دونوں طرح کے عیب داخل ہوں گے، اور یہ برأت دونوں کو شامل ہوگی۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل: یہ ہے کہ ابراء کا مقصد سلامتی وصف کے حوالے سے مشتری کے حق کا اسقاط ہے، یعنی بائع برأت کی شرط لگا کر یہ امکان ختم کر دیتا ہے کہ مشتری مبیع میں سلامتی وصف کے متعلق کسی بھی عیب کا دعویٰ کر کے اسے واپس کر دے، اور یہ مقصد موجود اور حادث دونوں عیب سے برأت کی شرط لگا کر ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

(۲) امام محمدؒ کے یہاں بائع کی شرط میں بوقتِ عقد موجود عیب سے تو برأت حاصل ہوگی؛ لیکن بعد العقد قبل القبض رونما ہونے والے عیب سے براءت حاصل نہیں ہوگی۔

دلیل: امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ براءت ثابت شدہ چیز ہی میں شامل ہوتی ہے، اور ظاہر ہے کہ بوقتِ عقد موجود عیب ہی ثابت ہے، لہٰذا برأت بھی صرف اسی کو شامل ہوگی۔

سوال: ۱۷، ہدایہ آخرین: ص/۵۲

(الف) عبارت بااعراب: وَ الْجِذْعُ فِي السَّقْفِ وَ ذِرَاعٍ مِنْ ثَوْبٍ ذَكَرَا الْقَطْعَ أَوْ لَمْ يَذْكُرَاهُ لِأَنَّهُ لَايُمْكِنُ التَّسْلِيمُ إِلَّا بِضَرَرٍ، بِخِلَافِ مَا إِذَا بَاعَ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ مِنْ نُقْرَةِ فِضَّةٍ لِأَنَّهُ لَاضَرَرَ فِي تَبْعِيضِهِ، وَلَوْلَمْ يَكُنْ مُعَيَّنًا لَايَجُوزُ لِمَا ذَكَرْنَا وَلِلْجَهَالَةِ أَيْضًا، وَلَوْقَطَعَ الْبَائِعُ الذِّرَاعَ أَوْ قَلَعَ الْجِذْعَ قَبْلَ أَنْ يَفْسَخَ الْمُشْتَرِي يَعُوْدُ صَحِيْحًا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) بیع فاسد کے سلسلہ میں یہ عبارت ہے آپ اس کو حل کریں (ج) حیث لایکون صحیحًا کی وجہ تحریر کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: اور شہتیر کی بیع چھت میں اور کپڑے میں ایک گز کی بیع جائز نہیں ہے بائع اور مشتری دونوں نے کاٹنے کا ذکر کیا ہو یا کاٹنے کا ذکر نہ کیا ہو؛ کیوں کہ بغیر ضرر کے اس کو سپرد کرنا ممکن نہیں ہے، برخلاف اس کے جب کہ چاندی کے ٹکڑے میں سے دس درہم بھر چاندی فروخت کی؛ کیوں کہ اس کے ٹکڑے کرنے میں کوئی ضرر نہیں ہے۔ اور اگر معین نہ ہو تو بھی جائز نہیں ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی اور مبیع مجہول ہونے کی وجہ سے، اور اگر مشتری کے فسخ کرنے سے پہلے بائع نے گز کاٹ دیا یا شہتیر اُکھاڑ دیا تو بیع عود کر کے صحیح ہو جائے گی۔

(ب) عبارت کا حل: اگر کوئی چھت میں لگا ہوا شہتیر فروخت کرتا ہے تو اس طرح چھت کے ایک شہتیر کو فروخت کرنا درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ اس میں مکان کے منہدم ہونے کا اندیشہ ہے اور اس صورت میں بائع کو ضرر اور نقصان برداشت کیے بغیر مبیع کا تسلیم کرنا ناممکن ہے اور اُصول ہے: "لاضرر ولاضرار" کے تحت بے وجہ

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

ضرر برداشت کرنا مقتضائے عقد کے خلاف ہے، اور مقتضائے عقد کے خلاف کرنا عقد کے لیے مفسد ہے، اگر کپڑے میں اس ایک گز کا کاٹنا نقصان دہ ہے تو اس میں بائع کو ضرر برداشت کرنا پڑے گا جس کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور یہ مقتضائے عقد کے خلاف ہے؛ چوں کہ مفسد عقد ہے۔

چاندی کا مسئلہ کیا ہے؟ چاندی کا مسئلہ اس کے برخلاف ہے، اگر چاندی کے ایک ڈھیلے میں سے دس درہم کے بقدر چاندی کا ٹکڑا فروخت کردے تو یہ جائز ہے؛ اس لیے کہ چاندی میں اس کے ٹکڑے کرنا یہ کوئی ضرر اور نقصان نہیں ہے؛ لٰہذا عدمِ جواز کی علت ضرر تھی اور ضرر ختم ہوگیا؛ اس لیے یہ صورت درست ہے۔

فائدہ: ان دونوں مسئلوں میں باہم فرق کرنے کی وجہ یہ ہے کہ شہتیر اور کپڑے میں سے ایک گز کا کاٹنا اس کے لیے ضرر اور نقصان ہے؛ لیکن چاندی میں ٹکڑے کرنا کوئی نقصان نہیں ہے، ان دونوں میں ضرر اور عدمِ ضرر یہ اصل وجہِ فرق ہے۔

(ج) حیث لایکون صحیحًا کی وجہ: اگر کسی نے چھوہاروں کے اندر گٹھلیوں کو بیچا یا خربوزے میں موجود بیج کو فروخت کیا اور مشتری کے عقد کو فسخ کرنے سے پہلے ہی اس نے چھوہاروں کو توڑ کر گٹھلیاں نکال دیں اور خربوزے کو کاٹ کر مبیع کو باہر کردیا تو بھی اس صورت میں بیع فاسد ہی رہے گی؛ کیوں کہ اس طرح کے عقد میں بوقتِ عقد یہ احتمال بدستور قائم تھا کہ ہوسکتا ہے اس میں مبیع ہو یا نہ ہو اور یہ احتمال بیع کو باطل کردیتا ہے۔

لیکن اگر کسی نے مشتری کے فسخ سے قبل ہی چھت سے شہتیر نکال کر الگ کردیا جب کہ شہتیر غیر متعین ہو تو بائع کا یہ عمل اس بیع کو درست کردے گا؛ کیوں کہ اس میں مفسد عقد مبیع کا مجہول ہونا تھا اور بائع نے اس جہالت کو ختم کردیا تو اب اس کی بیع درست ہے۔

ان دونوں مسئلوں میں فرق یہ ہے کہ خربوزے وغیرہ میں موجود بیج غیر محسوس اور

غیر مشاہد ہے، اور شہتیر اور کپڑے یہ دونوں محسوس اور مشاہد ہیں، لہٰذا جب خربوزے کے اندر کے بیج فروخت کیے گئے تو بوقتِ عقد یہ احتمال بدستور قائم تھا کہ ہوسکتا ہے اس میں مبیع ہو یا نہ ہو اور یہ احتمال بیع کو باطل کردے گا۔

اور شہتیر وغیرہ میں چوں کہ محسوس اور مشاہد ہوتے ہیں؛ اس لیے ان کے ہونے نہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہوتا؛ البتہ ان کے غیر متعین ہونے کی وجہ سے بیع فاسد ہوتی ہے؛ لیکن جب بائع نے قبل فسخ المشتری ان کو کاٹ کر الگ کردیا تو وہ متعین ہوگیا اور ان کی جہالت ختم ہوگئی، اب اس میں بیع درست ہے۔

سوال: ١٨، ہدایہ آخرین: ص/٦٠ (داخلہ ١٤٢٥ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَكَذٰلِكَ لَوْ بَاعَ عَبْدًا عَلٰى أَنْ يَسْتَخْدِمَهُ الْبَائِعُ شَهْرًا أَوْدَارًا عَلٰى أَنْ يَسْكُنَهَا أَوْ عَلٰى أَنْ يُقْرِضَهُ الْمُشْتَرِيْ دِرْهَمًا أَوْ عَلٰى أَنْ يَهْدِيَ لَهُ هَدِيَّةً لِأَنَّهُ شَرْطٌ لَايَقْتَضِيْهِ الْعَقْدُ وَفِيْهِ مَنْفَعَةٌ لِأَحَدِ الْمُتَعَاقِدَيْنِ وَلِأَنَّهُ نَهٰى عَنْ بَيْعٍ وَسَلْفٍ لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ الْخِدْمَةُ وَالسُّكْنٰى يُقَابِلُهُمَا شَيْءٌ مِنَ الثَّمَنِ يَكُوْنُ إِجَارَةً فِيْ بَيْعٍ وَقَدْ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ صَفْقَتَيْنِ فِيْ صَفْقَةٍ۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(الف) عبارت پر اعراب لگاکر ترجمہ کریں (ب) عبارت کا مطلب لکھیں اور دونوں دلیلوں کی وضاحت کریں (ج) بیع، اجارہ اور اعارہ کی تعریف بھی لکھیں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: اور اسی طرح اگر غلام اس شرط پر بیچا کہ بائع اس سے ایک ماہ کی خدمت لے گا یا کوئی گھر اس شرط پر فروخت کیا کہ بائع اس میں سکونت کرے گا یا اس شرط پر کہ مشتری بائع کو ایک درہم قرضہ دے یا اس شرط پر کہ مشتری بائع کو کچھ ہدیہ

دے؛ کیوں کہ یہ ایسی شرط ہے جس کا عقد تقاضہ نہیں کرتا ہے اور اس میں احدالمتعاقدین کا نفع ہے اور اس لیے کہ اگر غلام سے خدمت لینے اور گھر میں رہنے کے مقابل ثمن میں سے کوئی حصہ ہو بیع کے اندر اجارہ ہو جائے گا اور اگر خدمت اور سکونت دونوں کے مقابل ثمن کا کوئی حصہ نہ ہو تو بیع کے اندر اعارہ ہو جائے گا؛ حالاں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صفقہ کے اندر دو صفقہ جمع کرنے سے منع کیا ہے۔

(ب) عبارت کا مطلب اور دونوں دلیلوں کی وضاحت: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے غلام اس شرط پر فروخت کیا کہ وہ غلام ایک ماہ میری خدمت کرے گا یا مکان اس شرط پر فروخت کیا کہ بائع ایک ماہ اس میں سکونت کرے گا یا اس شرط پر فروخت کیا کہ بائع کو ایک درہم قرض دے یا اس شرط پر فروخت کیا کہ مشتری بائع کو کچھ ہدیہ دے ان تمام صورتوں میں بیع فاسد ہے۔

تین دلیلیں ملاحظہ فرمائیں:

پہلی دلیل: یہ ہے کہ یہ تمام شرطیں مقتضی عقد کے خلاف ہیں اور ان شرطوں میں احدالمتعاقدین کا نفع ہو وہ مفسد بیع ہے؛ اس لیے ان شرطوں کے ساتھ بیع فاسد ہوگی۔

دوسری دلیل: یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع اور قرض جمع کرنے سے منع فرمایا ہے یعنی ایسی بیع سے منع فرمایا ہے جس میں شرط مذکور ہو کہ مشتری بائع کو قرض بھی دے گا۔

تیسری دلیل: یہ کہ غلام سے خدمت لینے اور گھر میں رہنے کے مقابلہ میں ثمن کا کوئی حصہ ہوگا یا نہیں؟ اگر ان دونوں کے مقابلہ میں ثمن کا کوئی حصہ ہو تو یہ بیع کے اندر اجارہ ہوگا اور اگر ان کے مقابلہ میں ثمن نہ ہو تو یہ بیع کے اندر عاریت پر لینا ہوگا یعنی بیع کے اندر اجارہ داخل ہوگا یا اعارہ داخل ہوگا؛ حالاں کہ مدینہ کے آقا رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معاملہ کے اندر دو معاملہ کرنے سے منع فرمایا ہے یعنی ایک معاملہ کو دوسرے معاملہ کے اندر داخل کر کے دونوں کو جمع کرنے سے منع فرمایا ہے، پس اس

حدیث سے ثابت ہوا کہ خدمت لینے اور گھر میں رہنے کی شرط لگانا شرط فاسد ہے اس کی وجہ سے بیع فاسد ہو جائے گی۔

(ج) بیع اور اجارہ اور اعارہ کی تعریف:

(۱) بیع کی تعریف: یہ ہے کہ آپسی رضامندی سے مال کے بدلے مال کا تبادلہ کرنا یہ شریعت کی اصطلاح میں بیع کہلاتا ہے،،مبادلة المال بالمال على وجه التراضي".

(۲) اجارہ کی تعریف: یہ ہے کہ اجارہ ایسا عقد ہے جو معلوم معاوضہ پر منافع معلومہ پر ہوتا ہے "الاجارة عقد على المنافع بعوض". (قدوري)

(۳) اعارہ کی تعریف: یہ ہے کہ کسی کو منافع کا بلاعوض مالک بنانا یعنی کسی چیز کو مفت استعمال کرنے کے لیے دے اور بعد میں اس کو واپس لے لے۔"تمليك المنافع بغير عوض على أن ترد العين".

سوال:۱۹، ہدایہ آخرین:ص ۶/۷ (داخلہ ۱۴۲۹ھ)

(الف) عبارت با اعراب: وَمَنْ بَاعَ بِثَمَنٍ حَالٍّ ثُمَّ أَجَّلَهُ أَجَلًا مَعْلُوْمًا صَارَ مُؤَجَّلًا، أَلَايُرىٰ أَنَّهُ يَمْلِكُ إِبْرَاءَهُ مُطْلَقًا، فَكَذَا مُؤَقَّتًا، وَلَوْأَجَّلَهُ إِلَى أَجَلٍ مَجْهُوْلٍ إِنْ كَانَتِ الْجَهَالَةُ مُتَفَاحِشَةً، كَهُبُوْبِ الرِّيْحِ، لَايَجُوْزُ، وَإِنْ كَانَتْ مُتَقَارِبَةً كَالْحَصَادِ وَالدِّيَاسِ، يَجُوْزُ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْكَفَالَةِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) عبارت میں ذکر کردہ مسئلوں کی مع دلیل وضاحت کریں (ج) بچہ کے مال سے قرض لینے کا کیا حکم ہے؟

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

الجواب

(الف) ترجمہ: اور جس شخص نے نقد ثمن کے عوض کوئی چیز فروخت کی، پھر اس نے ایک معلوم میعاد تک اسے ادھار کر دیا تو ثمن ادھار ہو جائے گا۔ کیا یہ نہیں معلوم کہ بائع

مطلقاً مشتری کو ثمن سے بری کر دینے کا مالک ہے اسی طرح وہ ثمن کو اُدھار کرنے کا بھی مالک ہوگا اور اگر بائع نے کسی مجہول میعاد تک اُدھار کیا، تو اگر جہالت سفاحش ہو مثلاً ہوا کا چلنا تو یہ جائز نہیں ہے، اور اگر جہالت متقارب ہو جیسے کھیتی ، کا ٹنا، گاہنا، تو یہ جائز ہے؛ اس لیے کہ یہ کفالہ کے درجہ میں ہے۔

(ب) عبارت میں ذکر کردہ مسئلوں کا بیان مع دلائل: اس عبارت میں مسئلہ یہ ہے کہ اخلد نے منیر سے ایک چیز نقد فروخت کی، اس کے بعد ایک معلوم مدت تک اخلد نے مشتری کو ادائے ثمن کی مہلت دے دی، تو یہ درست اور جائز ہے؛ اس لیے کہ ثمن بائع یعنی اخلد ہی کا حق ہے اور انسان اپنے حق میں ہر طرح کے تصرف کا مجاز ہوتا ہے، لہٰذا مشتری کی آسانی کے لیے اگر بائع کچھ دنوں کی مہلت دیتا ہے تو یہ جائز ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ ثمن بائع کا حق ہے اور بائع مطلقاً بغیر کسی میعاد کے مشتری کو ثمن سے بَری کرنے کا حق رکھتا ہے، تو جب بائع مطلق ابراء کا مالک ہے تو مؤقت ابراء کا تو وہ بدرجہ اولیٰ مالک ہوگا۔

اور اگر بائع نے ادائے ثمن کی کوئی مجہول میعاد مقرر کی تو اس کی دو صورتیں ہیں:

(۱) میعاد کی جہالت فاحش اور بعید الفہم ہوگی۔

(۲) جہالت اجل قریب الفہم ہوگی، اگر پہلی صورت ہے مثلاً بارش کا برسنا، ہوا کا چلنا اس صورت میں تاجیل درست نہیں ہوگی اور بائع کو ہمہ وقت مطالبہ ثمن کا اختیار ہوگا اور اگر دوسری صورت ہے جیسے کھیتی کاٹنے یا گاہنے تک کی میعاد مقرر کرنا تو اس صورت میں بائع کی جانب سے تاجیل درست ہوگی اور حصاد یا دیاس سے پہلے اسے مطالبۂ ثمن کا اختیار نہیں ہوگا اور اس تاجیل کے جائز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ عقد کے بعد میعاد مقرر کرنا کفالہ کے درجہ میں ہے جس طرح کفیل کفالہ میں عقد کے بعد ایک مدت تک کے لیے ادائے ثمن وغیرہ کا ضامن ہوتا ہے اسی طرح اس میں بھی عقد کے

بعد بائع مشتری کو ایک مدت تک ادائے ثمن کی ڈھیل اور مہلت دیتا ہے اور کفالہ جہالت یسیرہ کے ساتھ تو جائز ہے؛ مگر جہالتِ فاحشہ کے ساتھ جائز نہیں ہے۔

(ج) بچہ کے مال سے قرض لینے کا کیا حکم ہے؟ بچہ کے مال سے قرض دینا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ ضرر محض ہے۔

"لایجوز أن یقرض مال الصغیر". (البنایہ: ج/۸، ص/۲۵۸)

سوال: ۲۰، ہدایہ آخرین: ص/۸۲ (داخلہ ۱۴۳۰ھ)

(الف) عبارت با اعراب: وَلَایَجُوْزُ بَیْعُ الْحِنْطَةِ بِالدَّقِیْقِ وَلَا بِالسَّوِیْقِ لِأَنَّ الْمُجَانَسَةَ بَاقِیَةٌ مِنْ وَجْهٍ لِأَنَّهُمَا مِنْ أَجْزَاءِ الْحِنْطَةِ وَالْمِعْیَارُ فِیْهِمَا الْکَیْلُ لٰکِنَّ الْکَیْلَ غَیْرُ مُسَوٍّ بَیْنَهُمَا وَبَیْنَ الْحِنْطَةِ لِاکْتِنَازِهِمَا فِیْهِ وَتَخَلْخَلَ حَبَّاتُ الْحِنْطَةِ فَلَایَجُوْزُ وَإِنْ کَانَ کَیْلًا بِکَیْلٍ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب لکھیں (ج) دلیل کی وضاحت کرتے ہوئے اکتناز اور تخلخل کی مراد بھی واضح کریں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

الجواب

(الف) ترجمہ: اور گندم کا آٹے کے عوض بیچنا جائز نہیں ہے اور نہ ستو کے عوض؛ کیوں کہ مجانست من وجہٍ باقی ہے؛ اس لیے کہ آٹا اور ستو دونوں گندم کے اجزاء میں سے ہیں اور ان دونوں میں معیار کیل ہے؛ لیکن کیل ان دونوں اور گندم کے درمیان برابری نہیں کرسکتا؛ کیوں کہ آٹا اور ستو پیمانہ میں ٹھوس بھر جاتا ہے اور گندم کے دانوں کے درمیان خلا رہ جاتا ہے؛ اس لیے جائز نہیں ہے، اگرچہ بیع کیلاً بکیل ہو۔

(ب) عبارت کا مطلب: مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک گندم کی بیع اس کے آٹے کے عوض اور گندم کی بیع اس کے ستو کے عوض جائز نہیں ہے نہ برابر کرکے اور نہ

کمی، زیادتی کے ساتھ یہی ایک قول امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام ثوریؒ کا ہے اور امام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ گندم کی بیع، اس کے آٹے اور ستو کے عوض برابر کر کے جائز ہے یہی امام احمدؒ کا قولِ اظہر ہے کہ **امام مالکؒ کی دلیل** یہ ہے کہ گندم کا آٹا اور ستو بعینہٖ گندم ہے صرف اتنا فرق ہے کہ گندم کے اجزاءِ متفرقہ کا نام آٹا اور ستو ہے اور اجزاء مجتمعہ کا نام حنطہ اور گندم ہے، پس آٹا اور ستو گندم کے چھوٹے چھوٹے دانوں کے مشابہ ہوگئے اور نفس گندم بڑے بڑے دانوں کے مشابہ ہوگیا اور گندم کے بڑے بڑے دانوں کو چھوٹے چھوٹے دانوں کے عوض کیل اور پیانہ کے ذریعہ برابر کر کے فروخت کرنا؛ چوں کہ جائز ہے؛ اس لیے گندم کو آٹے اور ستو کے عوض برابر کر کے بیچنا بھی جائز ہوگا۔

(ج) دلیل کی وضاحت: ہماری دلیل کی توضیح یہ ہے کہ گندم اور اس کے آٹے کے درمیان من وجہٍ ہم جنس ہونا موجود ہے اور من وجہٍ موجود نہیں ہے مجانست موجود تو اس لیے ہے کہ گندم کو پیسنے سے صرف گندم کے اجزاء متفرق ہوجاتے ہیں اور شی مبیع تفریق اجزاء کی وجہ سے دوسری شئ نہیں ہوجاتی؛ بلکہ سابقہ شئ ہی باقی رہتا ہے۔ پس پسنے سے پہلے جو چیز تھی پسنے کے بعد بھی وہی چیز باقی ہے اور مجانست غیر موجود اس لیے ہے کہ جنس کا اختلاف نام، صورت اور معنیٰ کے اختلاف سے متحقق ہوتا ہے جیسے گندم اور جو کے درمیان اختلاف جنس ہے؛ کیوں کہ دونوں کا نام بھی مختلف ہے، صورت بھی مختلف ہے اور معانی اور منافع بھی مختلف ہیں، پس اسی طرح اس صورت میں پسنے سے پہلے گندم نام تھا اور پسنے کے بعد آٹا یا ستو ہوگیا تو گویا دونوں کا نام مختلف ہیں؛ کیوں کہ گندم کو بھون کر چبایا جاتا ہے اور آٹے اور ستو کے درمیان من وجہٍ مجانست زائل ہوگئی اور من وجہٍ زائل نہیں ہوتی؛ بلکہ باقی ہے تو گویا مجانست کے زائل ہونے میں شک واقع ہوگیا؛ حالاں کہ مجانست کا موجود ہونا یقینی تھا اور یقین شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوتا؛ اس لیے کہا گیا کہ مجانست زائل نہیں ہوئی؛ بلکہ باقی ہے پس گندم اور اس کے

آٹے کے درمیان اور گندم اور ستو کے درمیان اتحاد جنسی اور اتحاد قدر دونوں پائے گئے اور جب قدر مع الجنس دونوں پائے گئے تو تفاضل اور شبہ تفاضل دونوں حرام ہوں گے اور برابری کے ساتھ بیع جائز ہوگی؛ لیکن گندم اور آٹے اور ستو ناپنے کا پیمانہ کیل ہوتا ہے اور کیل کے ذریعہ گندم اور اس کے آٹے اور ستو کے درمیان برابری پیدا کرنا ممکن ہے؛ کیوں کہ پیمانے میں آٹے کو ٹھوس ٹھوس کر بھرا جا سکتا ہے؛ مگر گندم کے دانوں کے درمیان چوں کہ خلا باقی رہتا ہے؛ اس لیے اس کو ٹھوس کر نہیں بھرا جا سکتا ہے، پس جب گندم کا ایک کیل، آٹے کے ایک کیل کے عوض بیچا جائے گا تو ان دونوں کے درمیان کمی زیادتی کا شبہ باقی رہ جائے گا یعنی آٹا زائد ہوگا اور گندم کم ہوگا اور اموال ربویہ یعنی قدر مع الجنس پائے جانے کی صورت میں جس طرح حقیقتاً ربوا یعنی کمی زیادتی حرام ہے اسی طرح ربوٰا کا شبہ بھی حرام ہے؛ اس لیے گندم کی بیع آٹے اور ستو کے عوض ناجائز قرار دی گئی، اگر چہ کیل کے ذریعہ دونوں عوضوں کو برابر کر دیا گیا ہو۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

اکتناز اور تخلخل کی مراد:

اکتناز: سے مراد کسی چیز کو مثلاً آٹے وغیرہ کو ٹھوس ٹھوس کر بھرنا۔

تخلخل: کا معنیٰ خلا باقی رہنا، یہاں مراد گندم کے دانوں کے درمیان خلا باقی رہنا؛ کیوں کہ گندم کے دانے ایسے ہیں جن کو ٹھوس ٹھوس کر نہیں بھرا جا سکتا ہے۔

سوال: ۲۱، ہدایہ آخرین: ص ۸۳ (داخلہ ۱۴۳۲ھ)

(الف) عبارت با اعراب: قَالَ وَيَجُوزُ بَيْعُ الرُّطَبِ بِالتَّمْرِ مَثَلًا بِمِثْلٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ وَقَالَا لَا يَجُوزُ لِقَوْلِهِ ﷺ حِيْنَ سُئِلَ عَنْهُ أَوَ يَنْقُصُ إِذَا جَفَّ فَقِيْلَ نَعَمْ فَقَالَ ﷺ لَا إِذًا لَهُ أَنَّ الرُّطَبَ تَمْرٌ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ حِيْنَ أُهْدِيَ إِلَيْهِ رُطَبًا أَوَ كُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هٰكَذَا سَمَّاهُ تَمْرًا وَ بَيْعُ التَّمْرِ بِمِثْلِهِ جَائِزٌ لِمَا رَوَيْنَا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) ''بیع الرطب بالتمر'' کے سلسلہ میں جو اختلاف ہے اس کی وضاحت کر کے ہر فریق کے مذہب کو مدلل کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: اور ابوحنیفہؒ کے نزدیک پختہ تازہ چھوہارے کو پختہ خشک چھوہارے کے عوض برابر بیچنا جائز ہے، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ جس وقت تازہ چھوہارے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تازہ چھوہارہ خشک ہو کر گھٹ جاتا ہے تو عرض کیا گیا کہ ہاں! پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو جائز نہیں ہے اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ رطب (تازہ چھوہارے) بھی تمر ہے؛ کیوں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خیبر کے رطب (تازہ چھوہارے) ہدیہ بھیجے گئے تو آپ نے فرمایا کہ کیا خیبر کے کل تمر ایسے ہی ہیں، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رطب کو تمر فرمایا اور تمر کو تمر کے عوض برابر بیچنا حدیث مذکور کی وجہ سے جائز ہے۔

(ب) ''بیع الرطب بالتمر'' کے سلسلہ میں اختلاف کی وضاحت: مسئلہ یہ ہے کہ رطب کی بیع تمر کے عوض متفاضلاً یعنی کمی، زیادتی کے ساتھ بالاجماع ناجائز ہے اور متساویاً یعنی برابر، برابر حضرت ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو جائز ہے؛ البتہ صاحبینؒ کے نزدیک ناجائز ہے، حضرت امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام محمدؒ بھی ناجائز کے قائل ہیں۔

صاحبینؒ کی دلیل: یہ ہے کہ ایک بار رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیع الرطب بالتمر مثلاً بمثل کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ یہ جائز ہے یا نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا رطب یعنی تازہ چھوہارہ خشک ہو کر گھٹ جاتا ہے لوگوں نے جواب میں عرض کیا کہ ہاں گھٹ جاتا ہے اس پر آپ نے فرمایا کہ اگر یہ بات ہے تو پھر رطب کی بیع تمر کے عوض برابر، برابر ناجائز ہے، اس حدیث سے معلوم

ہوا کہ بیع الرطب بالتمر برابر، برابر بھی ناجائز ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل نقلی: یہ ہے کہ ایک مرتبہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خیبر کے رطب یعنی تازہ چھوہارے ہدیہ پیش کیے گئے ان کو دیکھ کر آپ نے فرمایا: "أو کل تمر خیبر ھٰکذا" کیا خیبر کے تمام چھوہارے ایسے ہی ہیں، ملاحظہ فرمایئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رطب کو تمر فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ رطب، تمر ہیں، اور تمر کی بیع تمر کے عوض برابر، برابر جائز ہے جیسا کہ حدیث التمر بالتمر مثلاً بمثل والفصل ربا یعنی تمر کی بیع تمر کے عوض برابر، برابر جائز ہے، اس پر شاہد عدل ہے، پس ثابت ہوا کہ رطب کی بیع تمر کے عوض برابر، برابر جائز ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی عقلی دلیل: یہ ہے کہ رطب کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو رطب، تمر ہے اور یا غیر تمر ہے، اگر رطب، تمر ہے تو رطب کی بیع تمر کے عوض برابر، برابر جائز ہے؛ کیوں کہ حدیث ربوٰا کے اوّل میں گزر چکا "التمر بالتمر مثلًا بمثل" اور اگر رطب غیر تمر ہے تو رطب کی بیع تمر کے عوض متساویاً اور متفاضلاً دونوں طرح جائز ہے؛ کیوں کہ اسی حدیث کے آخر میں إذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم. یعنی اختلافِ جنس کی صورت میں جس طرح چاہو فروخت کرو، خواہ متساویا خواہ متفاضلاً۔

صاحبینؒ کی پیش کردہ حدیث کا جواب: یہ ہے کہ اس حدیث کا مدار زید بن عیاش پر ہے اور زید بن عیاش ائمہ حدیث کے نزدیک ضعیف اور مجہول راوی ہیں؛ اس لیے یہ روایت حدیث مشہور کے مقابلے میں مستدل نہ ہوگی۔

سوال: ۲۲، ہدایہ آخرین: ص/۸۶ (داخلہ ۱۴۲۴ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَلَا رِبٰوا بَيْنَ الْمَوْلٰى وَعَبْدِهٖ لِأَنَّ الْعَبْدَ وَمَافِيْ يَدِهٖ مِلْكٌ لِمَوْلَاهُ فَلَايَتَحَقَّقُ الرِّبَا وَهٰذَا إِذَا كَانَ مَأْذُوْنًا لَهٗ وَلَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ دَيْنٌ وَإِنْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ لَايَجُوْزُ بِالْإِتِّفَاقِ لِأَنَّ مَافِيْ يَدِهٖ لَيْسَ

مِلْکُ الْمَوْلٰی عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ وَعِنْدَهُمَا تَعَلَّقَ بِهٖ حَقُّ الْغُرَمَاءِ فَصَارَ كَالْأَجْنَبِيِّ فَيَتَحَقَّقُ الرِّبَا كَمَا يَتَحَقَّقُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ مُكَاتَبِهٖ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) عبارت کی اطمینان بخش تشریح کرتے ہوئے مذکورہ اختلاف کو مع دلائل واضح کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: اور مولیٰ اور اس کے غلام کے درمیان سود نہیں ہے؛ کیوں کہ غلام اور جو کچھ اس کے قبضہ میں ہے اپنے مولیٰ کی ملک ہے؛ اس لیے سود متحقق نہ ہوگا اور یہ اس وقت ہے جب کہ غلام ماذون لہٗ ہو اور اس پر قرضہ نہ ہو اور اگر اس پر قرضہ ہو تو بالاتفاق جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جو کچھ غلام کے قبضہ میں ہے وہ مولیٰ کی ملک نہیں ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک اس کے ساتھ قرض خواہوں کا حق متعلق ہے، پس مولیٰ بمنزلہ اجنبی کے ہو گیا، پس ربوٰا متحقق ہو گیا، جیسا کہ مولیٰ اور اس کے مکاتب کے درمیان متحقق ہوتا ہے۔

(ب) عبارت کی تشریح اور مذکورہ اختلاف کی مع دلائل وضاحت: مسئلہ یہ ہے کہ اگر غلام ماذون لہٗ فی التجارۃ ہو اور اس پر لوگوں کا اس قدر قرضہ نہ ہو جو اس کے رقبہ کو احاطہ کر لے تو اس غلام اور اس کے مولیٰ کے درمیان ربوٰا متحقق نہیں ہوگا یعنی اموالِ ربویہ میں اگر یہ دونوں کمی، زیادتی کے ساتھ خرید و فروخت کریں تو یہ ربوٰا نہ ہوگا، مثلاً انعام الدین نے اپنے غلام کو مال دے کر تجارت کی اجازت دی، پھر غلام کے دو من گیہوں ایک من گیہوں کے عوض خریدے تو یہ ربوٰا نہ ہوگا؛ کیوں کہ غلام اور جو کچھ غلام کے قبضہ میں مال ہے وہ سب اس کے مولیٰ کی ملک ہے، پس جب غلام اور جو کچھ اس کے قبضہ میں ہے مولیٰ کی ملک ہے تو مولیٰ اور اس کے غلام کے درمیان بیع ہی متحقق نہ ہوگی اور جب بیع متحقق نہیں ہوئی تو ربوٰا بھی متحقق نہ ہوگا اور اگر غلام پر لوگوں

کا اس قدر قرضہ ہو جو اس کے رقبہ کا احاطہ کر لیتا ہے تو اس غلام اور اس کے مولیٰ کے درمیان اموالِ ربویہ میں کمی زیادتی کے ساتھ بیع بالاتفاق جائز نہ ہوگی؛ کیوں کہ اس صورت میں جو کچھ غلام کے قبضہ میں ہے وہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مولیٰ کی ملک نہیں ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک اگرچہ مولیٰ کی ملک ہے؛ لیکن اس کے ساتھ قرض خواہوں کا حق متعلق ہے، بہرحال امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک غلام اپنے مولیٰ کے لیے بمنزلہ اجنبی کے ہو گیا ہے اور اجنبیوں کے درمیان بیع متحقق ہوتی ہے اور جب بیع متحقق ہوتی ہے تو شرط ربوٰ ا پائے جانے کی صورت میں ربوٰ ا بھی متحقق ہوگا۔ جیسے مولیٰ اور اس کے مکاتب کے درمیان بیع بھی متحقق ہوتی ہے اور ربوٰ ا بھی متحقق ہوتا ہے۔

سوال: ۲۳، ہدایہ آخرین: ص/۹۳ (داخلہ ۱۴۳۷ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَلَايَجُوزُ السَّلَمُ فِي الْحَيْوَانِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: يَجُوزُ لِأَنَّهُ يَصِيرُ مَعْلُومًا بِبَيَانِ الْجِنْسِ وَالسِّنِّ وَالنَّوْعِ وَالصِّفَةِ وَالتَّفَاوُتُ بَعْدَ ذٰلِكَ يَسِيرٌ فَاشْبَهَ الثِّيَابَ وَلَنَا أَنَّ بَعْدَ ذِكْرِ مَاذُكِرَ يَبْقٰى فِيهِ تَفَاوُتٌ فَاحِشٌ فِي الْمَالِيَّةِ بِاعْتِبَارِ الْمَعَانِي الْبَاطِنَةِ فَيُفْضِي إِلَى الْمُنَازَعَةِ بِخِلَافِ الثِّيَابِ لِأَنَّهُ مَصْنُوعٌ لِلْعِبَادِ فَقَلَّمَا يَتَفَاوَتُ الثَّوْبَانِ إِذَا نُسِجَا عَلٰى مِنْوَالٍ وَاحِدٍ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) اور عبارت کی تشریح کرتے ہوئے بتائیں کہ جنس، نوع، صفت اور معانی باطنہ سے کیا مراد ہے؟ (ج) لکڑیوں کی گٹھڑی میں بیع سلم کا کیا حکم ہے؟ اس کو بھی تحریر کریں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

الجواب

(الف) ترجمہ: اور حیوان کی بیع سلم جائز نہیں ہے اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جائز

ہے؛اس لیے حیوان جنس، نوع، عمر اور صفت بیان کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد تفاوت خفیف ہے تو یہ کپڑوں کے مشابہ ہو گیا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مذکورہ اُمور ذکر کرنے کے بعد چوں کہ حیوان میں باطنی اُمور کے اعتبار سے مالیت میں بہت بڑا تفاوت باقی رہ جاتا ہے؛ اس لیے مفضی الی المنازعۃ ہوگا برخلاف کپڑوں کے؛ کیوں کہ کپڑے بندوں کے تیار کردہ ہیں، پس جب دو کپڑے ایک آلہ پر بُنے جائیں تو ان میں بہت کم تفاوت ہوتا ہے۔

(ب) عبارت کی تشریح: جانوروں کے اندر بیع سلم کی دو صورتیں ہیں:

(۱) یہ کہ مطلق جانور کی بیع سلم کی گئی ہو، یعنی نہ اس کی جنس بیان کی ہو، نہ عمر بیان کی ہو، نہ صفت بیان کی ہو اور نہ اس کی نوع بیان کی ہو۔

(۲) یہ کہ مذکورہ چیزیں بیان کر کے جانور کی بیع سلم کی گئی ہے۔

پہلی صورت میں بالاتفاق بیع سلم ناجائز ہے اور دوسری صورت میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ناجائز ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک جائز ہے۔ اسی کے قائل امام مالکؒ اور امام احمدؒ ہیں۔

امام شافعیؒ کی دلیل: یہ ہے کہ جب جانور کی جنس، نوع، عمر اور صفت بیان کردی گئی تو وہ معلوم المقدار والصفقہ مبیع اور مسلم فیہ میں بیع سلم درست ہے؛ اس لیے طرح کے جانور میں بھی بیع سلم درست اور جائز ہوگی اور پھر ان اوصاف کے بیان کرنے کے بعد اوّل تو کوئی جہالت ہی نہیں رہتی اور جو جہالت رہتی بھی ہے وہ بہت معمولی رہتی ہے، جس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا ہے؛ اس لیے اس جہالت کا بھی اعتبار نہیں ہوگا اور جس طرح اگر کسی کپڑے کے تمام اوصاف معلوم ہو جائیں تو اگرچہ اس میں معمولی سی جہالت رہتی ہے؛ مگر یہ جہالت بیع سلم سے مانع نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: حدیث شریف ہے: أن النبي ﷺ نهى عن السلم في الحيوان. (اخرجه الحاكم في المستدرك)

دوسری دلیل: یہ ہے کہ حیوان کے تمام اوصاف بیان کرنے کے بعد بھی حیوانوں میں باطنی اور اندرونی اعتبار سے خفا اور پوشیدگی رہتی ہے؛ چناں چہ اندرونی طور پر کوئی گھوڑا تیز رفتار ہوتا ہے اور دوسرا کم رفتار ہوتا ہے، ان صورتوں میں عقد مفضی الی المنازعہ ہوگا اور مفضی الی المنازعہ عقد فاسد ہوتا ہے؛ اس لیے حیوان کی بیع سلم بھی فاسد ہوگی۔

جنس، نوع، صفت و معانی باطنہ سے مراد: جانور کی جنس بیان کرنا، مثلاً یہ کہنا کہ وہ اونٹ ہے یا بھینس ہے، اور نوع بیان کرنا، مثلاً یہ کہنا کہ وہ بختی ہے یا عربی ہے۔

اور صفت بیان کرنا، مثلاً یہ کہنا کہ وہ خوب فربہ، موٹا تازہ ہے یا دبلا پتلا لاغر ہے۔

جانور کے معانی باطنہ، مثلاً گھوڑے کا تیز رفتار اور فرماں بردار ہونا، غلام کا ہوشیار اور باسلیقہ ہونا، باندی کا خوبصورت ہونا وغیرہ۔

(ج) لکڑیوں کی گٹھڑی میں بیع سلم کا کیا حکم ہے؟ لکڑیوں کی گٹھڑی میں بیع سلم جائز نہیں ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

سوال: ۲۴، ہدایہ آخرین: ص/۱۰۰ (داخلہ ۱۴۳۸ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَ إِنْ اِسْتَصْنَعَ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ بِغَيْرِ أَجَلٍ جَازَ اِسْتِحْسَانًا لِلْإِجْمَاعِ الثَّابِتِ بِالتَّعَامُلِ وَفِي الْقِيَاسِ لَا يَجُوْزُ لِأَنَّهُ بَيْعُ الْمَعْدُوْمِ وَالصَّحِيْحُ أَنَّهُ يَجُوْزُ بَيْعًا لَا عِدَةً وَالْمَعْدُوْمُ قَدْ يُعْتَبَرُ مَوْجُوْدًا حُكْمًا وَالْمَعْقُوْدُ عَلَيْهِ الْعَيْنُ دُوْنَ الْعَمَلِ حَتّٰى لَوْ جَاءَ بِهِ مَفْرُوْغًا عَنْهُ لَا مِنْ صَنْعَتِهِ أَوْ مِنْ صَنْعَتِهِ قَبْلَ الْعَقْدِ فَأَخَذَهُ جَازَ وَلَا يَتَعَيَّنُ إِلَّا بِالْاِخْتِيَارِ حَتّٰى لَوْ بَاعَهُ الصَّانِعُ قَبْلَ أَنْ يَرَاهُ الْمُسْتَصْنِعُ جَازَ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) خط کشیدہ کلمات کے لغوی و اصطلاحی معنیٰ لکھیں (ج) ''ذٰلک'' کا مشارٌ الیہ متعین کر کے صورتِ مسئلہ اور اس کا حکم تحریر کریں اور بتائیں کہ اس مسئلہ کا ''باب السلم'' سے کیا تعلق ہے؟

الجواب

(الف) ترجمہ: اور اگر مذکورہ چیزوں میں سے کوئی چیز بغیر میعاد کے بنوائی تو استحساناً جائز ہے اس اجماع کی وجہ سے جو تعامل ناس سے ثابت ہے اور قیاس کے مطابق جائز نہیں ہے؛ اس لیے کہ یہ معدوم کی بیع ہے اور صحیح یہ ہے کہ استصناع بطورِ بیع کے جائز ہے نہ کہ بطورِ وعدہ کے اور معدوم کو حکماً موجود شمار کیا جائے گا اور معقود علیہ عین شئ ہے نہ کہ عمل حتیٰ کہ اگر کاری گر ایسی بنی ہوئی چیز کو لایا جو اس کی بنائی ہوئی نہیں ہے یا عقد سے پہلے کی بنائی ہوئی ہے پس بنوانے والے نے اس کو لے لیا تو جائز ہے اور وہ چیز متعین نہ ہوگی؛ مگر بنوانے والے کے پسند کرنے سے حتیٰ کہ اگر کاری گر نے بنوانے والے کو دکھلانے سے پہلے اس کو بیچ دیا تو جائز ہے۔

(ب) خط کشیدہ کلمات کے لغوی و اصطلاحی معنیٰ:

(۱) **استصنع**: یہ واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے باب افتعال سے، استصنعه الشیء یعنی کسی چیز کو بنانے کے لیے کہنا۔

اصطلاح میں استصناع کہا جاتا ہے کسی کا کسی کاری گر سے کہنا کہ فلاں چیز ان اوصاف کے ساتھ اتنی لمبی چوڑی اتنے روپوں میں بنا دے اور پوری رقم یا کچھ رقم کاری گر کو دے دے اور کوئی میعاد ذکر نہ کرے۔

(۲) **استحسان**: الاستحسان لغة: هو اعتبار الشيء حسنا، او اعتقاده حسنا.

والاستحسان عند أهل الأصول (المالكية وغيرهم ممن يأخذ به) هو عدول المجتهد عن قياس جلي ضعيف الأثر إلى قياس خفي قوي الأثر.

وقيل: هو العدول عن الحكم إلى العادة لمصلحة الناس.

ومنهم من قال: الاستحسان هو عدول المجتهد عن الحكم الكلى إلى حكم استثنائي لدليل رجع لديه هٰذا العدول.

(۳) **الاجماع:** الاجماع لغة: العزم والاتفاق، واصطلاحاً اتفاق مجتهدى هٰذه الأمة بعد النبي صلى اللّٰه عليه وسلم على حكم شرعى.

(۴) **التعامل:** تعامل يتعامل تعاملًا، تعامل الشريكان أي عامل كل منهما الآخر.

(۵) **التعامل اصطلاحًا:** عہد رسالت سے لے کر آج تک بلا نکیر کسی عمل پر چلنے کو شریعت میں تعامل کہتے ہیں۔

(٦) **القياس:** القياس لغة: التقدير يقال قستُ الشيء بالشيء أي قدرته.

واصطلاحًا: تسوية فرع بأصل في حكم لعلة جامعة بينهما.

(۷) **مفروغا:** فرغ (ف،ن) وفرِغ (س) فراغا و فروغا من العمل یعنی کام سے خالی ہونا۔ فرغ له و إليه یعنی قصد کرنا و فرغ من الشیء پورا کرنا، تمام کرنا، وفرغ الظرف برتن کا خالی ہونا۔

(۸) **المستصنع:** یہ اسم فعل کا صیغہ ہے، بابِ استفعال سے، استصنعه الشیء: کسی چیز کو بنانے کے لیے کہنا۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ج) **"ذٰلک" کا مشارٌ الیہ:**

مذکورہ عبارت "وإن استصنع شيئا من ذٰلک" میں ذٰلک کا مشارٌ الیہ "المذکور" أعنى اللّبن، والآجر، والطست، والقمقمة والخف یا اس کے مانند چیزیں ہیں۔

صورتِ مسئلہ: صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی کسی کام کے کاری گر سے کہے: فلاں چیز ان اوصاف کے ساتھ اتنی لمبی چوڑی، اتنے روپوں میں بنا دے اور پوری

رقم یا کچھ رقم کاری گر کو دے دے اور کوئی میعاد ذکر نہ کرے ہمارے یہاں اسی کو سائی دے کر بنوانا کہتے ہیں۔

استصناع کا حکم: استصناع استحساناً جائز ہے؛ مگر قیاساً جائز نہیں ہے۔ (وجہِ استحسان عملی اجماع ہے؛ کیوں کہ عہدِ رسالت سے لے کر آج تک بلانکیر لوگوں کا اس پر تعامل چلا آرہا ہے اور لوگوں کا اجماع ایک حجتِ شرعیہ ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لاتجتمع أمتي علی ضلالة" الحدیث۔

اس مسئلہ کا "باب السلم" سے کیا تعلق ہے؟ اس مسئلہ کا تعلق "باب السلم" سے یہ ہے کہ بیع سلم میں معدوم شی کا عقد ہوتا ہے اور استصناع میں بھی شیٔ معدوم کو بنانے کے لیے کہا جاتا ہے۔

سوال: ۲۵، ہدایہ آخرین: ص/۱۰۶ (داخلہ ۱۴۳۵ھ)

(الف) عبارت با اعراب: وَمَنْ بَاعَ جَارِيَةً قِيمَتُهَا أَلْفُ مِثْقَالِ فِضَّةٍ وَفِي عُنُقِهَا طُوْقُ فِضَّةٍ قِيمَتُهَا أَلْفُ مِثْقَالٍ بِأَلْفَي مِثْقَالِ فِضَّةٍ وَنَقَدَ مِنَ الثَّمَنِ اَلْفَ مِثْقَالٍ ثُمَّ افْتَرَقَا فَالَّذِي نَقَدَ ثَمَنُ الْفِضَّةِ لِأَنَّ قَبْضَ حِصَّةِ الطَّوْقِ وَاجِبٌ فِي الْمَجْلِسِ، وَالظَّاهِرُ مِنْهُ الْإِتْيَانُ بِالْوَاجِبِ وَكَذَا لَوِ اشْتَرَاهُمَا بِأَلْفَي مِثْقَالٍ اَلْفٍ نَسِيئَةٍ وَاَلْفٍ نَقْدٍ فَالنَّقْدُ ثَمَنُ الطَّوْقِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مسئلہ اولیٰ اور اس کی دلیل کی وضاحت کرتے ہوئے بتائیے کہ حصہ طوق کا مجلس میں قبضہ کرنا کیوں ضروری ہے؟ (ج) نیز دوسرے مسئلہ کی بھی وضاحت کرتے ہوئے اس کی دلیل لکھیں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: ایک شخص نے ایک باندی جس کی قیمت ایک ہزار مثقال چاندی

ہے اور جس کی گردن میں چاندی کا ایک طوق ہے جس کی قیمت بھی ایک ہزار مثقال ہے اس کو دو ہزار مثقال چاندی کے عوض فروخت کیا اور مشتری نے ایک مثقال ثمن نقد ادا کیا پھر دونوں جدا ہو گئے تو جو کچھ اس نے نقد ادا کیا ہے وہ چاندی کے طوق کا ثمن ہے؛ کیوں کہ حصہ طوق پر قبضہ کرنا اسی مجلس میں واجب ہے؛ اس لیے کہ یہ صرف کا بدل ہے بائع کی طرف سے ظاہر یہی ہے کہ اس نے واجب ادا کیا ہوگا اور اسی طرح اگر اس نے باندی اور طوق دونوں کو دو ہزار مثقال کے عوض (اس طرح) خریدا کہ ایک ہزار اُدھار ہے اور ایک ہزار نقد ہے تو نقد، طوق کا ثمن ہوگا۔

(ب) مسئلہ اولیٰ اور اس کی دلیل کی وضاحت، نیز حصہ طوق کا مجلس میں قبضہ کرنا کیوں ضروری ہے؟

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دو ہزار مثقال چاندی کے عوض کوئی ایسی باندی خریدی جس کی قیمت ایک ہزار مثقال ہے اور اس باندی کی گردن میں چاندی کا ایک طوق ہے اس کی بھی قیمت ایک ہزار مثقال ہے اور پھر ثمن میں سے اس نے ایک ہزار مثقال نقد اداء کر دیا، اس کے بعد عاقدین ایک دوسرے سے جدا ہو گئے تو جو ثمن مشتری نے نقد ادا کیا ہے وہ باندی کا عوض نہیں ہے؛ بلکہ اداء کردہ ثمن طوق کا عوض ہوگا؛ کیوں کہ یہاں مبیع یعنی باندی دو طرح مال ہے ایک بذاتِ خود مال ہے دوسرے اس کی گردن میں موجود طوق بھی مال ہے اور طوق چوں کہ نقد ہے اور مشتری کی طرف سے ادا کردہ ثمن بھی نقد ہے؛ اس لیے ان دونوں میں جو عقد ہوگا وہ عقد صرف ہوگا اور عقد صرف کے متعلق آپ کو پتہ ہے کہ مجلس عقد میں اس کے عوضین پر قبضہ کرنا ضروری ہے؛ اس لیے اس نقد ثمن کو طوق کا عوض قرار دیا جائے گا۔ (احسن الہدایہ: ج ۹، ص ۹۰)

مذکورہ بالا صورت کی دلیل: یہ ہے کہ یہ عقد صرف ہے اور عقد صرف مجلس عقد میں ہی عوضین پر قبضہ کرنا ضروری ہے؛ اس لیے نقد ثمن کو طوق کا عوض قرار دیا جائے گا؛ تا کہ عوضین پر مجلس عقد میں قبضہ متحقق ہو جائے اور عقد صرف درست ہو جائے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ج) **دوسرے مسئلہ کی وضاحت اور دلیل:** اسی طرح اگر باندی اور طوق کو دو ہزار مثقال چاندی کے عوض اس طور پر خریدا کہ ایک ہزار مثقال اُدھار ہیں اور ایک ہزار نقد ہیں تو ایک ہزار نقد طوق کا ثمن شمار کیا جائے گا؛ کیوں کہ بیع صرف میں میعاد مقرر کرنا یعنی اُدھار معاملہ کرنا باطل ہے اور باندی کی بیع میں اُدھار جائز ہے اور عاقدین کے حال سے یہی ظاہر ہے کہ بیع جائز ہو۔ پس ظاہر حال کی رعایت کرتے ہوئے ایک ہزار نقد کو طوق کا حصہ ثمن قرار دینا مناسب ہے تاکہ طوق اور باندی دونوں کی بیع درست ہو جائے۔

سوال: ۲۶، ہدایہ آخرین: ص/۱۰۶ (داخلہ ۱۴۳۴ھ)

(الف) **عبارت بااعراب:** وَمَنْ بَاعَ إِنَاءَ فِضَّةٍ ثُمَّ افْتَرَقَا وَقَدْ قَبَضَ بَعْضَ ثَمَنِهِ بَطَلَ الْبَيْعُ فِيمَا لَمْ يَقْبَضْ وَصَحَّ فِيمَا قَبَضَ وَكَانَ الْإِنَاءُ مُشْتَرَكًا بَيْنَهُمَا، لِأَنَّهُ صَرْفٌ كُلُّهُ فَصَحَّ فِيمَا وُجِدَ شَرْطُهُ وَبَطَلَ فِيمَا لَمْ يُوْجَدْ وَالْفَسَادُ طَارٍ لِأَنَّهُ يَصِحُّ ثُمَّ يَبْطُلُ بِالْإِفْتِرَاقِ فَلَايَشِيْعُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) بیع صرف کی تعریف اور اس کی شرائط تحریر کریں (ج) عبارت کی تسلی بخش تشریح کریں۔

الجواب

(الف) **ترجمہ:** اور اگر کسی نے چاندی کا برتن فروخت کیا پھر دونوں جدا ہو گئے؛ حالاں کہ بائع بعض ثمن پر قبضہ کر چکا ہے تو اس حصہ میں جس پر بائع نے قبضہ نہیں کیا ہے بیع باطل ہو جائے گی اور جس پر قبضہ کر چکا ہے اس میں بیع صحیح ہو جائے گی اور برتن بائع اور مشتری کے درمیان مشترک ہو جائے گا؛ کیوں کہ یہ پورا عقد صرف ہے، پس جس قدر میں صرف کی شرط پائی گئی اس میں عقد صحیح ہو گیا اور جس میں شرط نہیں پائی گئی

اس میں باطل ہو گیا اور فساد چوں کہ طاری ہے؛ کیوں کہ عقد صحیح ہو کر افتراق کی وجہ سے پھر باطل ہوگا؛ اس لیے فساد نہیں پھیلے گا۔

(ب) بیع صرف کی تعریف اور اس کی شرائط:

بیع صرف: صرف بیع کی ایسی قسم ہے جس میں ثمن کے عوض ثمن کا معاملہ کیا جاتا ہے "الصرف اسم لنوع بيع وهو مبادلة الأثمان بعضها ببعض".

بیع صرف کی شرط: بیع صرف کی شرط یہ ہے کہ افتراق سے پہلے عوضین پر قبضہ کرنا ضروری ہے "ولا بد من قبض الاعوضين قبل الافتراق بالأبدان باجماع العلماء". (بنایہ: ۳۹۵/۸)

(ج) عبارت کی تسلی بخش تشریح: حاصل یہ ہے کہ اگر کسی نے چاندی کا برتن فروخت کیا پھر مشتری نے ثمن میں سے بعض حصہ ادا کر دیا اس کے عاقدین ایک دوسرے سے جدا ہو گئے تو اب حکم یہ ہے کہ جتنے ثمن پر بائع نے قبضہ کیا ہے اتنی مقدار میں برتن میں بیع درست ہوگی اور مبیع کا جو حصہ ثمن سے خالی ہے اس حصہ میں بیع باطل ہو جائے گی؛ کیوں کہ یہ عقد مکمل طور پر عقد صرف ہے اور عقد صرف کی صحت کے لیے مجلس عقد میں عوضین پر قبضہ کرنا شرط ہے اور وہ مبیع بائع اور مشتری کے درمیان مشترک ہوگی؛ کیوں کہ جس میں بیع درست ہوتی ہے وہ حصہ مشتری کا مملوک ہے اور جس حصہ میں بیع باطل ہوئی ہے وہ حصہ بائع کی ملکیت میں ہے؛ اس لیے مبیع دونوں کے درمیان مشترک ہوگی۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

"الفساد طار" سے ایک سوالِ مقدر کا جواب دیا گیا ہے:

سوال: یہ ہے کہ صورتِ مسئلہ میں جب نصف برتن پر قبضہ نہ کرنے کی وجہ سے اس میں بیع فاسد ہے تو یہ فساد پورے عقد میں پھیلے گا اور حصہ مقبوضہ میں بھی بیع درست نہیں ہوگی۔

جواب: یہ ہے کہ فساد کی دو قسمیں ہیں: (۱) فسادِ اصلی (۲) فسادِ طاری

فسادِ اصلی: فسادِ اصلی ابتداء میں پیدا ہونے والا فساد ہے۔

فسادِ طاری: جو فساد درمیان عقد میں پیدا ہوا ہے اس کو فسادِ طاری کہتے ہیں۔

ان دونوں میں سے فسادِ اصلی پورے عقد میں پھیل جاتا ہے؛ لیکن فسادِ طاری پورے عقد میں نہیں پھیلتا؛ بلکہ بقدرِ مفسد ہی رہتا ہے اور یہاں ایک حصہ میں عقد صحیح ہے؛ اس لیے فسادِ طاری ہوگا، لہٰذا بقدرِ مفسد ہی محدود رہے گا، پورے عقد میں نہیں پھیلے گا۔

سوال: ۲۷، ہدایہ آخرین: ص/۱۱۰ (داخلہ ۱۴۲۸ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَمَنْ اَعْطٰى صَيْرَفِيًّا دِرْهَمًا وَقَالَ اَعْطِنِي بِنِصْفِهٖ فُلُوْسًا وَبِنِصْفِهٖ نِصْفًا اِلَّا حَبَّةً جَازَ الْبَيْعُ فِي الْفُلُوْسِ وَبَطَلَ فِيْمَا بَقِيَ عِنْدَهُمَا لِاَنَّ بَيْعَ نِصْفَ دِرْهَمٍ بِالْفُلُوْسِ جَائِزٌ وَبَيْعُ النِّصْفِ بِنِصْفٍ اِلَّا حَبَّةً رِبٰوا فَلَايَجُوْزُ وَعَلٰى قِيَاسِ قَوْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَؒ بَطَلَ فِي الْكُلِّ لِاَنَّ الصَّفْقَةَ مُتَّحِدَةٌ وَالْفَسَادُ قَوِيٌّ فَيَشِيْعُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) اور دونوں مسلکوں کی مع دلیل وضاحت کریں، نیز "وعلٰى قياس قول أبي حنيفةؒ" کو اچھی طرح واضح کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: اور اگر کسی نے صَرّاف کو ایک درہم دے کر کہا کہ مجھے اس کے آدھے کے عوض فلوس اور آدھے کے عوض ایک حبہ کم نصف درہم دے دے تو صاحبینؒ کے نزدیک فلوس میں یہ بیع جائز ہے اور مابقی میں باطل ہے؛ کیوں کہ فلوس کے عوض نصف درہم کی بیع تو جائز ہے اور نصف درہم کی بیع حبہ کم نصف درہم کے عوض ربوا ہے اس لیے ناجائز ہے اور ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق کل میں بیع باطل ہے؛ کیوں کہ صفقہ

متحد اور فساد قوی ہے؛ اس لیے فساد پھیل جائے گا۔

(ب) دونوں مسلکوں کی وضاحت نیز "وعلٰی قیاس ...." کی تشریح:

مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے صَرّاف کو ایک درہم دے کر کہا کہ تو مجھے اس کے نصف کے عوض فلوس دے دے اور نصف کے عوض، ایک حبہ کم نصف درہم دے دے تو صاحبینؒ کے نزدیک فلوس میں یہ بیع جائز ہے اور مابقی میں باطل ہے؛ کیوں کہ اس نے نصف درہم کا مقابلہ فلوس سے کیا ہے اور نصف درہم کا مقابلہ حبہ کم نصف درہم سے کیا ہے۔ پس فلوس کے ساتھ نصف درہم کے مقابلہ میں چوں کہ کوئی مانع جواز نہیں ہے؛ اس لیے فلوس کے عوض نصف درہم کی بیع تو جائز ہوگی اور حبہ کم نصف درہم کا مقابلہ نصف درہم کے ساتھ کرنے میں چوں کہ ربوٰا ہے؛ اس لیے اس کی بیع باطل ہوگی۔

اور امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کا تقاضہ یہ ہے کہ کل کے اندر بیع باطل ہو؛ کیوں کہ پورے درہم کا صفقہ تو ایک ہے اور نصف درہم میں ربوٰا لازم آنے کی وجہ سے فساد قوی ہے اور فساد اس لیے قوی ہے کہ ربوٰا کی وجہ سے جو فساد پیدا ہوگا وہ مجمع علیہ اور متفق علیہ ہے اور فساد قوی؛ چوں کہ پورے عقد میں پھیل جاتا ہے؛ اس لیے پورا عقد فاسد ہوگا۔

مثلاً جب کسی نے آزاد اور غلام ملا کر فروخت کیا اور ان میں سے ہر ایک کا ثمن بیان نہیں کیا تو آزاد کی بیع میں فساد؛ چوں کہ قوی ہے؛ اس لیے یہ فساد بالاجماع پورے عقد میں پھیل جاتا ہے، پس اسی طرح مذکورہ مسئلہ میں بھی پورے عقد میں فساد پھیل جائے گا اور کل کے اندر عقد باطل ہو جائے گا۔

سوال: ۲۸، ہدایہ آخرین: ص/۱۱۶ (داخلہ ۱۴۲۶ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَالْمَكْفُوْلُ لَهُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ طَالَبَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْأَصْلُ وَإِنْ شَاءَ طَالَبَ كَفِيْلَهُ لِأَنَّ الْكَفَالَةَ ضَمُّ الذِّمَّةِ إِلَى الذِّمَّةِ فِي الْمُطَالَبَةِ وَذٰلِكَ يَقْتَضِيْ قِيَامَ الْأَوَّلِ لَا الْبَرَاءَةَ عَنْهُ إِلَّا إِذَا شَرَطَ فِيْهِ

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

الْبَرَاءَةُ فَحِينَئِذٍ تَنعَقِدُ حَوَالَةً اِعْتِبَارًا لِلْمَعَانِي كَمَا أَنَّ الْحَوَالَةَ بِشَرْطِ أَنْ لَايَبْرَءَ بِهَا الْمُحِيلُ يَكُونُ كَفَالَةً.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) کفالت کی تعریف اور الاصل کی مراد لکھ کر ایک مثال کے ذریعہ کفیل مکفول لہٗ اور مکفول عنہ کی تعیین کیجیے، اس طرح حوالہ کی تعریف ومثال دے کر محیل اور محتال لہٗ اور محتال علیہ کی تعیین کریں (ج) مسئلہ کی وضاحت کر کے ''لأنّ الكفالة إلخ'' سے بیان کردہ دلیل کی تشریح کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: اور مکفول کو اختیار ہے کہ چاہے اس شخص سے مطالبہ کرے جس پر اصل قرضہ ہے اور چاہے اس کفیل سے مطالبہ کرے؛ کیوں کہ کفالہ نام ہے مطالبہ میں ایک ذمہ کو دوسرے ذمہ کے ساتھ ملانے کا اور یہ اوّل کے موجود ہونے کا تقاضہ کرتا ہے نہ کہ اس سے بری ہونے کا؛ مگر جب کہ اس میں براءت کی شرط کی گئی ہو تو اس وقت معانی کا اعتبار کرتے ہوئے حوالہ منعقد ہوگا جیسا کہ حوالہ اس شرط کے ساتھ کہ حوالہ کرنے والا بری نہ ہو کفالہ ہوتا ہے۔

(ب) کفالت کی تعریف: مطالبہ میں ایک ذمہ کو دوسرے ذمہ سے ملانے کا نام کفالہ ہے ''الكفالة هي ضم الذمة إلى الذمة في المطالبة''.

الاصل کی مراد:

الأصــل: سے مراد مکفول عنہ یعنی جس کی جانب سے قرض ادا کرنے کی ذمہ داری لی گئی ہے۔

مثال کے ذریعہ کفیل مکفول لہٗ اور مکفول عنہ کی تعیین:

کفالہ کی مثال: عبیداللہ نے اجیرالدین سے ایک ہزار روپے قرض لیا تو عبدالمنان نے کہا کہ میں عبیداللہ کی جانب سے کفیل ہوا، اگر وہ ادا نہ کرے تو میں ادا

کروں گا تو اس مثال میں عبید اللہ مکفول عنہ اور اجیر الدین مکفول لہٗ اور عبد المنان کفیل ہے۔

حوالہ کی تعریف، مثال اور محیل محتال لہٗ اور محتال علیہ کی تعیین:

حوالہ کی تعریف: مقروض کے ذمے سے محتال علیہ کے ذمے مطالبہ کو منتقل کرنے کا نام حوالہ ہے "الحوالة في اصطلاح الفقهاء تحويل الدين من ذمه الأصيل إلى ذمة المحتال عليه على سبيل التوثيق به". (البنایہ: ج/۸، ص/۴۸۵)

حوالہ کے لغوی معنیٰ: "هو نقل الشيء من محل إلى محل".

مثال: طاہر نے عماد الدین سے ایک ہزار روپئے قرض لیے، اب طاہر ادا نہیں کر رہا ہے، تو معصوم بنارسی نے اس قرض کے اداء کرنے کا ذمہ لے لیا تو اس مثال میں طاہر محیل یعنی مقروض ہے اور عماد الدین محتال لہٗ یعنی قرض خواہ اور معصوم محتال علیہ یعنی حوالہ قبول کرنے والا ہے اور ایک ہزار روپئے محتال بہ یعنی وہ مال جس کو حوالہ کیا جاتا ہے۔

(ج) مسئلہ کی وضاحت: مسئلہ یہ ہے کہ کفالہ بالمال میں مکفول لہٗ کا اختیار ہے کہ وہ قرضہ کا مطالبہ اصیل یعنی مکفول عنہ سے کرے یا کفیل سے کرے یا بیک وقت دونوں سے کرے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

"لأنّ الكفالة إلخ" سے بیان کردہ دلیل کی تشریح: اس عبارت سے دلیل کو بیان کیا گیا ہے اور یہ ہے کہ کفالہ مطالبہ میں ایک ذمہ کا دوسرے ذمہ کے ساتھ ملانے کا نام ہے یعنی کفیل کا ذمہ اصیل یعنی مکفول عنہ کے ذمہ کے ساتھ مل جاتا ہے اور کفیل کے ذمہ کا اصیل کے ذمہ کے ساتھ ملنا اِس بات کا مقتضی ہے کہ پہلا ذمہ یعنی اصل کا ذمہ باقی رہے اور اس بات کا مقتضی نہیں ہے کہ اصیل کا ذمہ مطالبہ سے بری ہوجائے؛ کیوں کہ اگر اصیل کا ذمہ مطالبہ سے بری ہوگیا تو "ضم" یعنی ایک ذمہ کا دوسرے ذمہ کے ساتھ ملنا متحقق نہ ہوگا۔ اور جب ایک ذمہ کا دوسرے ذمہ کے ساتھ ملنا متحقق نہ ہوا تو کفالہ بھی متحقق نہ ہوگا۔

حالاں کہ مسئلہ کفالہ ہی کی صورت میں فرض کیا گیا ہے، پس ثابت ہوا کہ کفالہ کا موجب یعنی ضم الذمة إلى الذمة في المطالبة، اصیل کے ذمہ موجود رہنے کا تقاضہ کرتا ہے، اس کے ذمہ کے بری ہونے کا تقاضہ نہیں کرتا، ہاں! اگر کفالہ میں اصیل یعنی مکفول عنہ کے بری ہونے کی شرط لگادی گئی ہو یعنی کفالہ میں مکفول عنہ نے یہ شرط کی ہو کہ میرا ذمہ بری ہوگا۔ یا کفیل نے اس شرط کے ساتھ کفالت کی ہو کہ مکفول عنہ کا ذمہ بری ہے اور مکفول لہٗ نے اس کو منظور کرلیا ہو تو ایسی صورت میں بلا شبہ مکفول عنہ کا ذمہ مطالبہ سے بری ہو جائے گا؛ مگر یہ کفالہ نہ ہوگا؛ بلکہ لفظ کفالہ کے ساتھ حوالہ منعقد ہوگا، یعنی نام اگرچہ یہ کفالہ ہے؛ لیکن حقیقت میں حوالہ ہے اور وجہ یہ ہے کہ کفالہ اور حوالہ عقود کے قبیل سے ہیں اور عقود میں معانی کا اعتبار ہوتا ہے الفاظ کا اعتبار نہیں ہوتا اور مطالبہ سے اصیل کا بری ہونا حوالہ کے معنیٰ ہیں نہ کہ کفالہ کے؛ اس لیے کفالہ اصیل یعنی مکفول عنہ کے مطالبہ سے بری ہونے کی شرط کے ساتھ حوالہ ہوگا جیسے حوالہ اس شرط کے ساتھ کہ اصیل یعنی حوالہ کرنے والا بری نہ ہو تو یہ لفظاً اگرچہ حوالہ ہے؛ لیکن حقیقۃً کفالہ ہے؛ کیوں کہ مطالبہ سے اصیل کا بری نہ ہونا، کفالہ کے معنیٰ ہیں نہ کہ حوالہ کے اور عقود میں چوں کہ معانی معتبر ہوتے ہیں نہ کہ الفاظ اس لیے معنیٰ کا اعتبار کرتے ہوئے حوالہ اس شرط کے ساتھ کہ اصیل بری نہ ہو کفالہ ہے۔

سوال: ۲۹، ہدایہ آخرین: ص/۱۲۴ (داخلہ ۱۴۳۶ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَمَنْ بَاعَ دَارًا وَكَفَلَ رَجُلٌ عَنْهُ بِالدَّرْكِ فَهُوَ تَسْلِيمٌ لِأَنَّ الْكَفَالَةَ لَوْ كَانَتْ مَشْرُوطَةً فِي الْبَيْعِ فَتَمَامُهُ بِقَبُولِهِ ثُمَّ الدَّعْوىٰ يَسْعىٰ فِي نَقْضِ مَاتَمَّ مِنْ جِهَتِهِ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ مَشْرُوطَةً فِيهِ فَالْمُرَادُ بِهَا إِحْكَامُ الْبَيْعِ وَتَرْغِيبُ الْمُشْتَرِي فِيهِ إِذْ لَا يَرْغَبُ فِيهِ دُوْنَ الْكِفَالَةِ فَنَزَلَ مَنْزِلَةَ الْإِقْرَارِ بِمِلْكِ الْبَائِعِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) کفالت کی تعریف کر کے مسئلہ اور دلیل کی دونوں شقوں کی واضح تشریح کریں (ج) اور بتائیں کہ "فـنـزل منزلة الإقرار إلخ" کا کیا مطلب ہے؟ (د) ضمان بالدرک کسے کہتے ہیں؟

الجواب

(الف) ترجمہ: اور کسی نے مکان فروخت کیا اور ایک آدمی بائع کی طرف سے کفیل بالدرک ہو گیا تو یہ تسلیم ہے؛ اس لیے کہ کفالہ اگر بیع کے اندر مشروط ہو تو بیع کا پورا ہونا کفیل کے قبول کرنے پر ہے، پھر دعویٰ کر کے اس چیز کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے جو اس کی طرف سے تمام ہوئی ہے اور اگر کفالہ بالدرک اس بیع میں مشروط نہ ہو تو کفالہ سے مراد بیع کا مستحکم ہونا اور مشتری کا اس بیع میں رغبت کرنا ہے جب کہ مشتری بغیر کفالہ کے اس بیع میں رغبت نہ کرے، پس عقد کفالہ، ملک بائع کے اقرار کے مرتبہ میں اُتار لیا جائے گا۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ب) کفالت کی تعریف:

الكفالة: هي الضم لغة قال الله تعالىٰ: وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا.

الكفالة اصطلاحًا: هي ضم الذمة إلى الذمة في المطالبة وقال بعض: ضم الذمة إلى الذمّه في الدين والأوّل أصح.

مسئلہ اور دلیل کی دونوں شقوں کی تشریح: صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے مکان فروخت کیا اور ایک شخص بائع کی طرف سے مشتری کے لیے کفیل بالدرک ہو گیا یعنی کفیل نے مشتری سے کہا کہ اگر یہ مکان مستحق ہو گیا تو ثمن واپس کرنے کا ضامن میں ہوں۔ پس کفیل کا یہ کہنا اس بات کو تسلیم کرنا ہے کہ یہ مکان بائع کی ملک ہے اس کے بعد اگر کفیل نے مشتری پر یہ دعویٰ کیا کہ اس مکان کا مالک میں ہوں تو کفیل کے اس دعویٰ کی سماعت نہ ہوگی اور اس کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی؛ کیوں کہ کفالہ بیع

کے اندر مشروط ہوگا یا مشروط نہ ہوگا یعنی یا تو بائع نے اس شرط کے ساتھ فروخت کیا ہوگا کہ فلاں آدمی مشتری کے لیے کفیل بالدرک ہے اور یا بغیر شرط کے فروخت کیا ہوگا؛ مگر بعد میں کسی نے کفالت قبول کر لی ہوگی۔ پس اگر کفالہ بیع کے اندر مشروط ہے تو بیع کا تمام ہونا کفیل کے قبول کرنے پر موقوف ہوگا یعنی جب کفیل، کفالہ بالدرک قبول کرلے گا، تب جا کر بیع پوری ہوگی، گویا عقد بیع کو واجب اور لازم کرنے والا کفیل ہے، اس کے بعد اگر کفیل یہ دعویٰ کرے کہ مکان کا مالک میں ہوں اور یہ مکان میری ملک ہے تو گویا وہ اس عقد کو توڑنا چاہتے ہیں، جو خود اس کی طرف سے پورا کیا گیا تھا اور اس عقد کو توڑنے کی کوشش کرنا جو خود اس کی طرف سے تمام ہوا باطل ہے؛ اس لیے اس مسئلہ میں کفیل کا یہ دعویٰ کرنا کہ مکان کا مالک میں ہوں یہ بھی باطل ہے یہی وجہ ہے کہ کفیل اگر اس مسئلہ میں شفیع ہو تو اس کا حق شفعہ باطل ہو جاتا ہے، اس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ کفیل نے پہلے بائع کی ملک کا اقرار ہے اور اب اپنی ملک کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کے دعویٰ میں تناقض ہو گیا اور تناقض کی صورت میں دعویٰ قبول نہیں ہوتا؛ اس لیے کفیل کا یہ دعویٰ کہ مکان کا مالک میں ہوں قبول نہ ہوگا۔

اور اگر کفالہ عقد بیع میں شرط نہ ہو تو کفالہ کا مقصد عقد بیع کو مستحکم اور مضبوط کرنا اور مشتری کو اس عقد کی طرف راغب کرنا ہوتا ہے؛ کیوں کہ بسا اوقات مبیع کے مستحکم ہونے کے اندیشہ سے مشتری اس مبیع کو خریدنے کی طرف سے رغبت نہیں کرتا، پس کفیل مشتری کو اطمینان دلاتے ہوئے کہتا ہے کہ تو مکان خرید لے اور فکر مت کر یہ مکان بائع ہی کی ملک ہے اور اگر خدانخواستہ کسی نے استحقاق کا دعویٰ کر کے اس مکان کو لے لیا تو ثمن واپس کرنے کا ضامن میں ہو، پس اس صورت میں بھی کفیل کی طرف سے بائع کی ملک کا اقرار پایا گیا اور جو شخص بائع کی ملک کا اقرار کر لے، اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس کے بعد اپنے مالک ہونے کا دعویٰ کرے۔

حاصل یہ کہ اس صورت میں کفالہ، کفیل کی جانب سے بائع کے مالکِ دار ہونے

کے اقرار کے مرتبہ میں ہے اور جب کفالہ کی وجہ سے کفیل نے اس بات کا اقرار کرلیا کہ اس مکان کا مالک بائع ہے تو اس کے بعد کفیل کا یہ دعویٰ کہ میں مالک ہوں تناقض کی وجہ سے قابلِ قبول نہ ہوگا۔

(ج) "فنزل منزلة الإقرار إلخ" کا کیا مطلب ہے؟ کفیل نے جب مشتری سے کہا کہ اگر یہ مکان مستحق ہوگیا تو ثمن واپس کرنے کا ضامن میں ہوں اور کفالہ بیع کے اندر مشروط ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں کفالہ کفیل کی جانب سے بائع کے مالکِ دار ہونے کے اقرار کے مرتبہ میں ہے اور جب کفالہ کی وجہ سے کفیل نے اس بات کا اقرار کرلیا کہ اس مکان کا مالک بائع ہے تو اس کے بعد کفیل کا یہ دعویٰ کہ میں مالک ہوں تناقض کی وجہ سے قابلِ قبول نہ ہوگا۔

(د) ضمان بالدرک کسے کہتے ہیں؟

الضمان بالدرک: هو قبول رد الثمن عند استحقاق المبيع یعنی کفیل کا مشتری سے یہ کہنا کہ اگر مبیع کا مستحق کسی شخص ہوگیا تو ثمن واپس کرنے کا ضامن میں ہوں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

سوال: ۳۰، ہدایہ آخرین: ص/۱۲۹ (داخلہ ۱۴۲۷ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَتَصِحُّ الْحَوَالَةُ بِرَضَاءِ الْمُحِيْلِ وَالْمُحْتَالِ وَالْمُحْتَالِ عَلَيْهِ أَمَّا الْمُحْتَالُ فَلِأَنَّ الدَّيْنَ حَقُّهُ وَهُوَ الَّذِي يَنْتَقِلُ بِهَا وَالذِّمَمُ مُتَفَاوِتَةٌ فَلا بُدَّ مِنْ رِضَاهُ وَأَمَّا الْمُحْتَالُ عَلَيْهِ فَلِأَنَّهُ يَلْزَمُهُ الدَّيْنُ وَلَا لُزُوْمَ بِدُوْنِ الْتِزَامِهٖ أَمَّا الْمُحِيْلُ فَالْحَوَالَةُ تَصِحُّ بِدُوْنِ رِضَاهُ ذَكَرَهُ فِي الزِّيَادَاتِ لِأَنَّ الْتِزَامَ الدَّيْنِ مِنَ الْمُحْتَالِ عَلَيْهِ تَصَرُّفٌ فِي حَقِّ نَفْسِهٖ وَهُوَ لَا يَتَضَرَّرُ بِهٖ بَلْ فِيْهِ نَفْعُهُ لِأَنَّهُ لَا يَرْجِعُ عَلَيْهِ إِذَا لَمْ يَكُنْ بِأَمْرِهٖ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) حوالہ کی تعریف کر کے ایک

مثال کے ذریعہ محیل، محتال لہ، محتال علیہ اور محتال بہ کی تعیین کریں (ج) عبارت عبارت کا مطلب واضح کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: اور حوالہ، محیل محتال لہ اور محتال علیہ کی رضا مندی سے صحیح ہوتا ہے۔ بہر حال! محتال لہ تو اس لیے کہ قرضہ اسی کا حق ہے اور قرضہ، حوالہ کے ذریعہ منتقل ہوجاتا ہے اور ذمّے متفاوت ہوتے ہیں؛ اس لیے محتال لہ کی رضا مندی ضروری ہے اور رہا محتال علیہ تو اس لیے کہ یہ قرضہ اسی کے ذمہ لازم ہوگا اور بغیر اس کے لازم کیے لزوم نہیں ہوسکتا ہے اور رہا محیل تو حوالہ بغیر اس کی رضا مندی کے صحیح ہوجاتا ہے، اس کو امام محمدؒ نے زیادات میں ذکر فرمایا ہے؛ اس لیے کہ محتال علیہ کی طرف سے قرضہ کا التزام اپنے حق میں ایک تصرف ہے اور اس سے محیل کو کوئی ضرر بھی نہ پہنچے گا؛ بلکہ اس میں اس کا نفع ہے؛ کیوں کہ جب محیل کے امر سے حوالہ نہ ہو تو محتال علیہ، محیل سے واپس بھی نہیں لے سکتا ہے۔

(ب) حوالہ کی تعریف:

حوالہ کی تعریف: مقروض کے ذمے سے محتال علیہ کے ذمے مطالبہ کو منتقل کرنے کا نام حوالہ ہے "الحوالة في اصطلاح الفقهاء تحويل الدين من ذمه الأصيل إلى ذمة المحتال عليه على سبيل التوثيق به".

(البنایہ: ج/۸، ص/۴۸۵)

حوالہ کے لغوی معنیٰ: "هو نقل الشيء من محل إلى محل".

مثال: طاہر نے عمادالدین سے ایک ہزار روپے قرض لیے، اب طاہر ادا نہیں کر رہا ہے، تو معصوم سلہتی نے اس قرض کے اداء کرنے کا ذمہ لے لیا، تو اس مثال میں طاہر محیل یعنی مقروض ہے اور عمادالدین محتال لہ یعنی قرض خواہ اور معصوم محتال علیہ یعنی حوالہ قبول

کرنے والا ہے اور ایک ہزار روپے محتال بہ یعنی وہ مال جس کا حوالہ کیا جاتا ہے۔

(ج) عبارت کا واضح مطلب: عبارت کا حاصل یہ ہے کہ حوالہ کی صحت اور اس کی درستگی کے لیے محتال لہ محتال علیہ اور محیل سب کی باہمی رضامندی ضروری ہے؛ چناں چہ محتال لہ کی رضامندی تو اس لیے ضروری ہے کہ قرض اسی کا حق ہے اور اسی کے حق کے لیے حوالہ کیا جاتا ہے اور چوں کہ حوالہ کے ذریعہ یہ حق محیل کے ذمے سے محتال علیہ کے ذمے کی طرف منتقل ہو جائے گا اور محتال علیہ کئی طرح کے لوگ ہو سکتے ہیں اور سب کا ذمہ متفاوت ہوتا ہے بعض دیندار اور خداترس ہوتے ہیں ٹال مٹول کیے بغیر دین اداء کر دیتے ہیں اور کچھ لوگ ٹال مٹول کرتے ہیں، محتال لہ کو محتال علیہ کا علم ہونا چاہیے، تاکہ وہ اپنی فہم کے مطابق محتال علیہ کی امانت و دیانت کے مطابق حوالہ پر رضامندی یا عدمِ رضاء کا اظہار کر سکے۔

اور صحت حوالہ کے لیے محتال علیہ کی رضامندی بھی ضروری ہے؛ کیوں کہ وہ اپنے اوپر دین کو لازم کرتا ہے اور اس کے لازم کیے بغیر دین لازم نہیں ہوگا؛ اس لیے محتال علیہ کی رضامندی ضروری ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

محیل کی رضامندی کے تعلق سے دو قول ہیں:

پہلا قول: جو امام محمدؒ کی زیادات میں مذکور ہے کہ اگر محیل کی رضامندی شامل حال نہ ہو تو بھی حوالہ درست اور جائز ہے؛ کیوں کہ حوالہ میں محتال علیہ اپنے ذمہ قرض کو لازم کرتا ہے اور یہ اس کی ذات میں ایک تصرف ہے اور محیل کو اس سے کوئی ضرر نہیں ہے؛ بلکہ اس کو فائدہ ہی فائدہ ہے؛ اس لیے محیل کی رضامندی کے بغیر بھی حوالہ درست ہے؛ کیوں کہ حوالہ محیل کے حکم سے نہیں ہوگا، تو ظاہر ہے کہ محتال علیہ کو اس کے اداء کردہ مال واپس لینے کا اختیار بھی نہیں ہوگا۔

دوسرا قول: امام قدوری کی روایت ہے کہ حوالہ کی صحت کے لیے محیل کی رضامندی بھی شرط اور ضروری ہے۔

سوال:۳۱، ہدایہ آخرین:ص/۱۷۹(داخلہ ۱۴۳۸ھ)

(الف)عبارت بااعراب: وَ لِهٰذَا قَالَ فِي الْكِتَابِ يُسَلِّمُ الْمَبِيْعَ وَيَقْبِضُ الثَّمَنَ وَيُطَالَبُ بِالثَّمَنِ إِذَا اشْتَرىٰ وَيَقْبِضُ الْمَبِيْعَ وَيُخَاصَمُ فِي الْعَيْبِ وَيُخَاصِمُ فِيْهِ لِأَنَّ كُلَّ ذٰلِكَ مِنَ الْحُقُوْقِ وَالْمِلْكُ يَثْبُتُ لِلْمُوَكِّلِ خِلَافَةً عَنْهُ اِعْتِبَارًا لِلتَّوْكِيْلِ السَّابِقِ كَالْعَبْدِ يَتَّهِبُ وَيَصْطَادُ وَيَحْتَطِبُ هُوَ الصَّحِيْحُ.

(الف)عبارت پر اعراب لگا کر ضمیروں کے مرجع کی تعیین کے ساتھ ترجمہ کریں (ب)خط کشیدہ کلمات کے لغوی تحقیق کریں (ج)"الکتاب" سے مراد اور اس میں ذکر کردہ چھ مسائل کی مثالیں اور دلیلیں تحریر کریں (د)"كالعبد إلخ" کی اچھی طرح تشریح کریں۔

الجواب

(الف)ترجمہ: اسی وجہ سے کتاب میں کہا کہ وکیل مبیع سپرد کرے اور ثمن پر قبضہ کرے اور جب خریدا ہو تو اس سے ثمن کا مطالبہ کیا جائے گا اور مبیع پر قبضہ کرے اور عیب کے سلسلہ میں وکیل سے مخاصمہ کیا جائے گا اور وکیل عیب کے سلسلہ میں مخاصمہ کرے گا؛ کیوں کہ یہ سب باتیں حقوق میں سے ہیں اور مؤکل کے لیے ملک وکیل کا نائب ہو کر ثابت ہوگی، توکیل سابق پر نظر کرتے ہوئے جیسے غلام ہبہ قبول کرے اور شکار کرے اور لکڑیاں جمع کرے یہی صحیح ہے۔

(ب)خط کشیدہ کلمات کے لغوی تحقیق:

(ا) **یسلم**: یہ مضارع معروف سے واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے باب تفعیل سے مصدر التسليم سلّم يسلّم تسليما. سلم إليه یعنی کسی کو کوئی چیز سپرد کرنا اور اس کا قبول کرنا۔

(۲) **یخاصم:** یہ مضارع معروف سے واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے یہ باب مفاعلۃ سے خاصمہ خصاما و مخاصمۃ معنیٰ جھگڑا کرنا، اسم (الخصومۃ) ہے۔

(۳) **یتھب:** یہ بھی مضارع سے واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے باب افتعال سے اتّھب اتھابا الھبۃ معنیٰ ہبہ قبول کرنا۔

(۴) **یصطاد:** صاد یصید و یصاد صیدا و اصطاد الطیر معنیٰ پرندہ کا شکار کرنا صفت صائد صاد فلانًا معنیٰ کسی کے لیے شکار کرنا، صاد و اصطاد المکان فلاں جگہ میں شکار کرنا۔

(۵) **احتطب:** لکڑی چننا، صفت (حاطب)۔

(ج) "الکتاب" سے مراد:

"الکتاب" سے مراد امام قدوریؒ کی مختصر القدوری یا امام محمدؒ کی جامع صغیر یا مبسوط ہیں۔ (اشرف الہدایہ: ج ۱۰/)

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

چھ مسائل کی مثالیں اور دلیلیں: امام قدوریؒ نے اپنی مختصر القدوری میں یا امام محمدؒ نے جامع صغیر یا مبسوط میں فرمایا کہ اگر وکیل بالبیع ہے تو وہ مبیع مشتری کے حوالہ کرے گا اور ثمن پر قبضہ کرے گا اور وکیل بالشراء ہے تو اس سے ثمن کا مطالبہ کیا جائے گا اور وہ خود مبیع پر قبضہ کرے گا اور اگر وکیل بالبیع ہے اور مشتری مبیع کے کسی عیب پر مطلع ہو گیا تو مشتری اس عیب کے سلسلہ میں وکیل ہی سے گفتگو کرے گا اور اگر وکیل بالشراء ہے اور مبیع کے کسی عیب پر مطلع ہوا تو اس عیب کے سلسلہ میں وکیل ہی بائع سے گفتگو کرنے کا مجاز ہوگا نہ کہ مؤکل۔

دلیل: یہ ہے کہ مذکورہ چھ چیزیں حقوق عقد میں سے ہیں، اور جملہ حقوق عقد وکیل کی طرف عود کرتے ہیں، لہٰذا مذکورہ چھ چیزیں وکیل کی طرف عود کریں گی اور وکیل ہی ان کا ذمہ دار ہوگا۔

(د) "کالعبد إلخ" کی اچھی طرح تشریح: مذکورہ بالا عبارت سے امام ابوحنیفہؒ

کے ایک قول کی نظیر کو پیش کیا گیا ہے، امام ابوحنیفہؒ کا قول اور نظیر کی وضاحت یہ ہے: کہ وکیل موکل کا نائب ہے تصرف کا استفادہ کرنے میں اور موکل وکیل کا نائب ہے۔ ملک ثابت ہونے کے حق میں بہر حال ملکیت موکل کے لیے ابتداءً ثابت ہو جاتی ہے، اگرچہ اصالۃً نہیں ہوتی؛ بلکہ نیابۃً ثابت ہوتی ہے، پس جب موکل کے لیے اصالۃً ملک ثابت نہیں ہوتی تو ملک کے تابع ہو کر حقوق عقد بھی موکل کے لیے ثابت نہ ہوں گے اور جب موکل کے لیے حقوق ثابت نہیں ہوتے تو وکیل کے لیے ثابت ہوں گے، ثبوت ملک کے حق میں موکل کا وکیل کی طرف سے نائب ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ غلام ہبہ قبول کرتا ہے اور شکار مارتا ہے اور لکڑی جمع کرتا ہے یعنی شی موہوبہ شکار اور لکڑیوں کا مالک ابتداءً مولیٰ ہی ہوتا ہے؛ لیکن اصالۃً نہیں؛ بلکہ غلام کی نیابت میں مولیٰ کو ملکیت حاصل ہوتی ہے؛ کیوں کہ اس سبب سے مالک ہونے میں مولیٰ غلام کا قائم مقام ہے، اسی طرح وکیل کی نیابت میں موکل کے لیے۔

سوال: ۳۲، ہدایہ آخرین: ص/۳۹۱ (داخلہ ۱۴۳۶ھ)

(الف) عبارت با اعراب: وَ إِذَا اجْتَمَعَ الشُّفَعَاءُ فَالشُّفْعَةُ بَيْنَهُمْ عَلَىٰ عَدَدِ رُؤُوسِهِمْ وَلَا يُعْتَبَرُ اِخْتِلَافُ الْأَمْلَاكِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ هِيَ عَلَىٰ مَقَادِيرِ الْأَنْصِبَاءِ لِأَنَّ الشُّفْعَةَ مِنْ مَرَافِقِ الْمِلْكِ أَلَا يَرَى أَنَّهَا لِتَكْمِيلِ مَنْفَعَتِهِ فَاشْبَهَ الرِّبْحَ وَالْغَلَّةَ وَالْوَلَدَ وَالثَّمْرَةَ وَلَنَا أَنَّهُمْ اِسْتَوَوْ فِي سَبَبِ الْاِسْتِحْقَاقِ وَهُوَ الْاِتِّصَالُ فَيَسْتَوُوْنَ فِي الْاِسْتِحْقَاقِ آلَا يَرىٰ أَنَّهُ لَوْ اِنْفَرَدَ وَاحِدٌ مِنْ هُمْ اِسْتَحَقَّ كَمَالَ الشُّفْعَةِ وَهٰذَا آيَةُ كَمَالِ السَّبَبِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) شفعہ کی تعریف اور شفعہ کی کتنی قسمیں ہیں ان کو لکھتے ہوئے مطلب لکھیں، امام شافعیؒ کے پیش کردہ نظائر کی وضاحت کریں، اپنی دلیل کی وضاحت کرتے ہوئے بتائیں کہ سببِ استحقاق سے کیا مراد ہے؟ امام شافعیؒ کی دلیل کا کیا جواب ہے؟

الجواب

(الف) ترجمہ: اور جب کہ چند شفیع جمع ہو جائیں شفعہ ان کے درمیان ان کے عدد رؤوس کے مطابق ہوگا اور اختلاف املاک کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اور شافعیؒ نے فرمایا کہ شفعہ حصوں کے بقدر ہوگا؛ اس لیے شفعہ منافع ملک میں سے ہے، کیا یہ بات نہیں دیکھتے کہ شفعہ ملک کی منفعت کی تکمیل کے لیے ہے تو یہ (حق شفعہ ربح اور غلّہ اور ولد اور پھل کے مشابہ ہو گیا)۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ سب استحقاق کے سبب میں برابر ہیں اور وہ اتصال ہے تو استحقاق کے اندر برابر ہوں گے کیا یہ بات نہیں دیکھتی کہ اگر ان میں سے کوئی ایک منفرد ہو تو یہ مکمل شفعہ کا مستحق ہوگا اور یہ کمال سبب کی علامت ہے۔

شفعہ کی تعریف:

الشفعة لغة: ضم العقار المشتراة إلٰى عقار الشفيع.

الشفعة اصطلاحًا: وهي تملك المنفعة بما قام على المشتري بالشركة أو الجوار.

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ب) شفعہ کی قسمیں:

أن الشفعة تنقسم علٰى ثلاثة أقسام الأوّل الخليط في نفس المبيع والثاني الخليط في حق المبيع والثالث الجواز.

عبارت کا مطلب: اس عبارت میں صاحبِ کتاب چند شفیع کے اجتماع کی صورت میں تقسیم کی شکل کو بیان کر رہے ہیں، اس سلسلہ میں احناف کا مذہب یہ ہے کہ جتنے بھی شفیع ہیں سب کو برابر برابر حصہ ملے گا، ملکیت کے تناسب اور فرق سے ان کے حق شفعہ میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اجتماع شفعاء کی صورت میں ہر شفیع کو اس کے حصے کے بقدر ہی شفعہ ملے گا، ان کی دلیل یہ ہے کہ شفعہ یہ ملک کے منافع میں سے ہے یعنی ملکیت

ہی کی وجہ سے شفیع کو یہ حق ملتا ہے تو جب شفعہ ملک کے منافع میں سے ہے اور منافع ملک بقدر حصے تقسیم ہوتے ہیں تو شفعہ بھی شفعہ کے حصوں کے بقدر تقسیم ہوگا، حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آپ خود غور کریں کہ شفعہ کے ذریعہ منفعت کی تکمیل ہوتی ہے یعنی ایک چیز مشترک ہے جب کوئی بطورِ شفعہ لے لے گا تو اس میں اس کی ملکیت تام ہو جائے گی تو حق شفعہ ربح ولد اور پھل کے مشابہ ہوگیا جیسے دو آدمیوں نے ایک چیز خریدی ایک نے دس روپئے دیے اور ایک نے پانچ روپئے، تو اب ربح بھی ان ملکیت کے اعتبار سے ہوگا ایسا ہی شفعہ میں بھی ملکیت کے اعتبار سے حق شفعہ حاصل ہوگا۔

امام شافعیؒ کے پیش کردہ نظائر کی وضاحت:

(۱) دو آدمیوں نے پندرہ میں کوئی چیز تجارت کے لیے خریدی، ایک کے دس روپے اور دوسرے کے پانچ اور شرط کچھ نہیں اور اٹھارہ روپئے میں اس چیز کو فروخت کر دیا تو دو روپئے دس روپئے والے کو اور ایک روپیہ پانچ والے کو ملے گا؛ کیوں کہ ان کی ملکیت اسی تناسب سے ہے۔

(۲) دو آدمیوں نے زمین خریدی ایک کے اس میں دس ہزار اور دوسرے کے پانچ ہزار روپے ہیں، پھر اس میں کاشت کی تو غلّہ مثلاً تیس کوئنٹل پیدا ہوا تو اس میں سے اوّل کو بیس اور دوسرے کو دس کوئنٹل ملے گا؛ اس لیے کہ ان کی ملکیت اسی تناسب سے ہے۔

(۳) دو آدمیوں نے ایک باندی خریدی پندرہ روپئے میں ایک کے دس اور ایک کے پانچ روپئے پھر انھوں نے اس کا کسی سے نکاح کر دیا اور بچہ پیدا ہوا جو ان دونوں کا غلام ہے جو تیس روپئے میں فروخت ہوا تو اوّل کو بیس اور دوسرے کو دس روپے ملیں گے، ملکیت کے تناسب کے اعتبار سے۔

(۴) دو آدمیوں نے مل کر ایک باغ خریدا حسبِ سابق پھر اس کے پھل فروخت ہوئے تو اس کا نفع بھی ملک کے تناسب سے تقسیم ہوگا، تو امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہی حال

شفعہ کا ہے یہ بھی ملک کے تناسب سے ملے گا، ہم نے کہا عددِ رؤوس پر تقسیم ہوگا۔

ہماری دلیل کی وضاحت: ہم اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ شفعہ کا سبب اتصال ہے اور تمام شفعاء میں اتصال برابر ہیں، لہٰذا وہ استحقاق شفعہ میں بھی ایک دوسرے کے مساوی رہیں گے، اگر ان میں سے کوئی تنہا ہو تو اسے پورے کا پورا شفعہ ملے گا، ایسا نہیں کہ صرف حصے کے ہی بقدر ملے گا، لہٰذا انفرادی حالت میں تمام شفعہ کا ملنا یہ خود کمال سبب کی دلیل ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

سببِ استحقاق سے کیا مراد ہے؟

المراد بسبب الاستحقاق هو الإتصال.

امام شافعیؒ کی دلیل کا کیا جواب ہے؟ حضرت امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ آپ نے شفعہ کو منافع ملک میں سے مانا ہے؛ مگر یہ نہیں سوچا کہ شفعہ منافع میں کیسے آسکتا ہے آپ ہی بتائیں کہ مثلاً باپ کو اپنے بیٹے کی باندی پر ملکیت کی قدرت حاصل ہوتی ہے؛ لیکن یہ ملک باپ کی ملکیت کا ثمرہ تو نہیں ہے؛ بلکہ یہ تو بیٹے کی ملکیت کا ثمرہ ہے پھر شفعہ کو ہم کیسے منافع ملک میں مان لیں رہا، مسئلہ پھل وغیرہ کا تو چوں کہ پھل عین ملک سے پیدا ہوتا ہے، لہٰذا اسے ہم بھی منافع ملک سے مانتے ہیں؛ لیکن شفعہ کو منافع ملک میں سے ماننے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

سوال:۳۳، ہدایہ آخرین: ص/۳۹۵ (داخلہ ۱۴۲۵ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَ إِذَا قُضِيَ لَهُ بِالدَّارِ فَلِلْمُشْتَرِي أَنْ يَحْبِسَهَا حَتّٰى يَسْتَوْفِيَ الثَّمَنَ وَيَنْفُذُ الْقَضَاءُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ أَيْضًا لِأَنَّهُ فَصْلٌ مُجْتَهَدٌ فِيْهِ وَوَجَبَ عَلَيْهِ الثَّمَنُ فَيُحْبَسُ فِيْهِ فَلَوْ أَخَّرَ أَدَاءَ الثَّمَنِ بَعْدَ مَاقَالَ لَهُ إِدْفَعِ الثَّمَنَ إِلَيْهِ لَاتَبْطُلُ شُفْعَتُهُ لِأَنَّهَا تَأَكَّدَتْ بِالْخُصُوْمَةِ عِنْدَ الْقَاضِيْ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) عبارت کا مطلب لکھ کر

بتائیں کہ جب امام محمدؒ کے نزدیک شفیع کے ثمن حاضر کرنے سے پہلے قاضی شفعہ کا فیصلہ نہیں کرسکتا تو پھران کے نزدیک مذکورہ فیصلہ کیوں کرنہ ہوگا؟

الجواب

(الف) ترجمہ: اور جب شفیع کے لیے گھر کا فیصلہ کردیا گیا تو مشتری کو حق ہے کہ وہ گھر کو روکے یہاں تک کہ ثمن کو وصول کرلے اور امام محمدؒ کے نزدیک بھی فیصلہ نافذ ہوگا؛ اس لیے کہ یہ فصل مجتہد فیہ ہے اور شفیع پر ثمن واجب ہوگا، پس روک لیا جائے گا مبیع کو ثمن کے بارے میں پس اگر تاخیر کی شفیع نے ثمن کے اداء کرنے میں بعد اس کے کہ اس کو قاضی نے کہہ دیا کہ مشتری کو ثمن دے دے تو شفعہ باطل نہ ہوگا؛ اس لیے کہ وہ (شفعہ) مضبوط ہوگیا ہے قاضی کے سامنے خصومت کرنے سے۔

(ب) عبارت کا مطلب: مسئلہ یہ ہے کہ جب شفیع نے قاضی کی مجلس میں احضارِ ثمن کے بغیر منازعہ کیا اور قاضی نے شفعہ کا بھی فیصلہ کردیا تو اب مشتری کو یہ حق ہے کہ جب تک پوری قیمت وصول نہ کرے گھر کو شفیع کے حوالہ نہ کرے؛ اس لیے کہ جب اس نے ثمن دے کر اسے خریدا ہے تو ظاہر ہے کہ ثمن لیے بغیر وہ کیسے دے گا۔

جب امام محمدؒ کے نزدیک شفیع کے ثمن حاضر کرنے سے پہلے قاضی شفعہ کا فیصلہ نہیں کرسکتا تو پھران کے نزدیک مذکورہ فیصلہ کیوں کرنہ ہوگا؟

سوال: یہ ہے کہ جب امام محمدؒ کے نزدیک بغیر احضارِ ثمن کے فیصلہ ہی جائز نہیں تو حبس کیسا؟

جواب: انہوں نے احضارِ ثمن کو ضروری کہا؛ لیکن یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے، لہٰذا اگر بغیر احضار کے قاضی نے فیصلہ کردیا تو فیصلہ نافذ ہوجائے گا، اگر قاضی نے شفیع کو کہا کہ ثمن ادا کرو، پھر بھی شفیع نے تاخیر کردی، تب بھی شفعہ باطل نہیں ہوگا؛ اس لیے کہ قاضی کے سامنے خصومت کی وجہ سے اب شفعہ لوہا لاٹ ہوگیا ہے، لہٰذا وہ اب باطل نہ ہوگا۔

سوال:۳۴، ہدایہ آخرین: ص/۳۹۶ (داخلہ ۱۴۲۹ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَ مَنِ اشْتَرىٰ دَارًا لِغَيْرِهٖ فَهُوَ الْخَصْمُ لِلشَّفِيْعِ لِأَنَّهٗ هُوَ الْعَاقِدُ وَالْأَخْذُ بِالشُّفْعَةِ مِنْ حُقُوْقِ الْعَقْدِ فَيَتَوَجَّهُ عَلَيْهِ قَالَ إِلَّا أَنْ يُسَلِّمَهَا إِلَى الْمُوَكِّلِ لِأَنَّهٗ لَمْ يَبْقَ لَهٗ يَدٌ وَلَا مِلْكٌ فَيَكُوْنُ الْخَصْمُ هُوَ الْمُوَكِّلُ، وَهٰذَا لِأَنَّ الْوَكِيْلَ كَالْبَائِعِ مِنَ الْمُوَكِّلِ عَلٰى مَاعُرِفَ فَتَسْلِيْمُهٗ إِلَيْهِ كَتَسْلِيْمِ الْبَائِعِ إِلَى الْمُشْتَرِيْ فَتَصِيْرُ الْخُصُوْمَةُ مَعَهٗ إِلَّا أَنَّهٗ مَعَ ذٰلِكَ قَائِمٌ مَقَامَ الْمُوَكِّلِ فَيُكْتَفٰى بِحُضُوْرِهٖ فِي الْخُصُوْمَةِ قَبْلَ التَّسْلِيْمِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) اور زیر بحث مسئلہ کی مع دلیل وضاحت کریں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

الجواب

(الف) ترجمہ: اور جس نے خریدا کوئی گھر اپنے غیر کے لیے تو یہی شفیع کا خصم ہوگا؛ اس لیے کہ عاقد یہی ہے اور شفعہ میں لینا حقوق عقد میں سے ہے تو یہ حق مشتری پر متوجہ ہوگا۔ قدوری نے کہا مگر یہ کہ وکیل اس گھر کو موکل کو سپرد کرے؛ اس لیے کہ اس کے لیے نہ قبضہ باقی رہا اور نہ ملکیت تو خصم مؤکل ہو جائے گا اور یہ اس لیے کہ وکیل ایسا ہے جیسے موکل کے ہاتھ فروخت کرنے والا، جیسا کہ معلوم ہے تو وکیل کا مؤکل کی جانب سونپ دینا ایسا ہے جیسے بائع کا مشتری کو سونپ دینا تو خصومت مؤکل کے ساتھ ہوگی؛ مگر وہ (وکیل) مؤکل کے قائم مقام ہے تو تسلیم سے پہلے خصومت میں اس کے حاضر ہونے پر اکتفا کرلیا جائے گا۔

(ب) زیر بحث مسئلہ کی توضیح مع دلائل: اُصول یہ ہے کہ بیع میں وکیل کی جانب ہی حقوق عقد راجع ہوتے ہیں، لہٰذا اگر کسی نے دوسرے کا وکیل بن کر کوئی گھر

خریدا اور ابھی تک مؤکل کے حوالہ نہیں کیا تو شفیع وکیل سے خصومت کر کے شفعہ لے سکتا ہے؛ کیوں کہ شفعہ میں لینا بھی عقد بیع کا ایک حق ہے اور حقوق وکیل کی جانب راجع ہوتے ہیں۔

ہاں! اگر وکیل مؤکل کے سپرد کر چکا ہے تو اب مخاصمت وکیل کے ساتھ نہ ہوگی؛ کیوں کہ نہ اس کا قبضہ رہا اور نہ ملکیت؛ کیوں کہ وکیل و مؤکل بائع اور مشتری کے درجہ میں ہیں تو جو حکم وہاں تھا وہی وکیل اور مؤکل میں ہوگا، اگر سوال کیا جائے کہ جب وکیل بائع کے درجہ میں ہے تو بائع کی صورت میں تو مشتری کا حضور ضروری تھا، کیا وکیل کے ساتھ مؤکل کا حضور بھی ضروری ہے اور اگر نہیں ہے تو وکیل و مکل بائع کے درجہ میں کیسے ہو گئے؟

تو ہم جواب دیں گے کہ بائع مشتری کا نائب نہیں تھا اور وکیل اپنے مؤکل کا نائب ہے اور جب نائب موجود ہے تو اصل کے حاضر ہونے کی کیا ضرورت ہے، اس وجہ سے دونوں میں فرق ہو گیا۔ اگر مشتری وکیل ہو تب بھی یہی حکم ہے اور اگر بائع وکیل ہو تب بھی یہی حکم ہے کہ شفیع بائع کے وکیل سے شفعہ طلب کرے، جب تک کہ وہ اس کے قبضہ میں ہے؛ ورنہ مشتری سے اور وصی کا بھی یہی حکم ہے کہ جب وصی نے بیچ دیا اور ابھی تک مبیع اس کے قبضہ میں ہے تو شفیع وصی سے مخاصمت کر سکتا ہے۔

سوال: ۳۵، ہدایہ آخرین: ص/۳۹۶ (داخلہ ۱۴۲۸ھ)

(الف) عبارت با اعراب: وَ إِذَا قُضِيَ لِلشَّفِيعِ بِالدَّارِ وَلَمْ يَكُنْ رَآهَا فَلَهُ خِيَارُ الرُّؤْيَةِ وَإِنْ وَجَدَ بِهَا عَيْبًا فَلَهُ أَنْ يَرُدَّهَا وَإِنْ كَانَ الْمُشْتَرِي شَرَطَ الْبَرَاءَةَ مِنْهُ لِأَنَّ الْأَخْذَ بِالشُّفْعَةِ بِمَنْزِلَةِ الشِّرَاءِ أَلَايُرٰى أَنَّهُ مُبَادَلَةُ الْمَالِ بِالْمَالِ فَيَثْبُتُ فِيهِ الْخِيَارَانِ كَمَا فِي الشِّرَاءِ وَلَايَسْقُطُ بِشَرْطِ الْبَرَاءَةِ مِنَ الْمُشْتَرِي وَلَابِرُؤْيَتِهِ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِنَائِبٍ عَنْهُ فَلَايَمْلِكُ إِسْقَاطَهُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) اور زیر بحث مسئلہ کی مع دلیل وضاحت کریں۔ (ج) ولا یسقط بشرط البراءۃ الخ سے مصنفؒ کیا بتانا چاہتے ہیں؟ اس کی بھی وضاحت کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: اور جب کہ شفیع کے لیے دار کا فیصلہ کر دیا گیا؛ حالاں کہ اس نے اس کو دیکھا نہیں تھا تو شفیع کے لیے خیارِ رؤیت ہے اور اگر وہ اس دار میں عیب پائے تو اس کے لیے اس کو واپس کرنے کا حق ہے، اگرچہ مشتری نے عیب سے براءۃ کی شرط لگائی ہو؛ اس لیے کہ شفعہ میں لینا خریدنے کے درجہ میں ہے کیا یہ نہیں دیکھتے کہ مبادلۃ المال بالمال ہے۔ تو اس (شفعہ میں لینے) میں دونوں خیار ثابت ہوں گے جیسا کہ شراء میں اور مشتری کے براءت کی شرط لگانے سے خیار ساقط نہ ہوگا اور نہ مشتری کے دیکھنے سے اس لیے کہ مشتری شفیع کا نائب نہیں ہے تو مشتری مالک نہیں ہوگا شفیع کے خیار کو ساقط کرنے کا۔

(ب) زیر بحث مسئلہ کی مع دلیل وضاحت: مسئلہ یہ ہے کہ صاحبِ قدوری نے شفیع کے لیے خیارِ عیب اور خیارِ رؤیت کو ثابت کیا ہے کہ جس طرح دیکھے بغیر کوئی چیز خریدنے کے بعد اس میں عیب نظر آنے کی صورت میں مشتری کو خیارِ عیب و خیارِ رؤیت ملتا ہے ٹھیک اسی طرح دیکھنے سے پہلے کسی کو بطورِ شفعہ لینے کی صورت میں بھی شفیع کو خیارِ رؤیت حاصل ہوگا اور ایسی ہی مبیع میں عیب نظر آنے کے بعد شفیع کو واپس کرنے کا بھی اختیار ملے گا، اگرچہ مشتری نے عیب سے بری ہونے کی شرط لگا دی ہو؛ اس لیے کہ شفعہ کے طور پر مبیع کو لینا یہ خریدنے کے درجے میں ہے پھر اس میں شراء ہی کی طرح مبادۃ المال بالمال بھی موجود ہے، لہٰذا جس طرح دیکھے بغیر شراء کی صورت میں خیارِ رؤیت اور خیارِ عیب ملتا ہے اسی طرح شفعہ میں بھی یہ دونوں خیار ملیں گے۔

(ج) ولا یسقط بشرط البراءة الخ سے مصنفؒ کیا بتانا چاہتے ہیں؟

ولا یسقط بشرط البراءة.....إلخ: سے مصنفؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مشتری کی جانب سے براءت عیب کی شرط لگانے یا رؤیت کا اقرار کرنے سے شفیع کے حق میں خیار کے ساقط ہونے کا وہم نہ کیا جائے؛ اس لیے کہ خیار تو وہاں ساقط ہوتا ہے جہاں پر براءت کی شرط لگانے والا یا دیکھنے والا نائب اور قائم مقام ہوتا ہے اور صورت مذکورہ میں مشتری نہ تو شفیع کا نائب ہے اور نہ ہی اس کا قائم مقام لہٰذا اس کی شرط براءت یا اس کی رؤیت سے خیارِ عیب اور اس کے خیارِ رؤیت پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔

سوال: ۳۶، ہدایہ آخرین: ص/ ۳۹۸ (داخلہ ۱۴۳۰)

(الف) عبارت با اعراب: وَ إِذَا حَطَّ الْبَائِعُ عَنِ الْمُشْتَرِي بَعْضَ الثَّمَنِ يَسْقُطُ ذٰلِكَ عَنِ الشَّفِيْعِ وَإِنْ حَطَّ جَمِيْعَ الثَّمَنِ لَمْ يَسْقُطْ عَنِ الشَّفِيْعِ لِأَنَّ حَطَّ الْبَعْضِ يَلْتَحِقُ بِأَصْلِ الْعَقْدِ فَيَظْهَرُ فِي حَقِّ الشَّفِيْعِ لِأَنَّ الثَّمَنَ مَابَقِيَ، وَكَذَا إِذَا حَطَّ بَعْدَ مَا أَخَذَهَا الشَّفِيْعُ بِالثَّمَنِ يُحَطُّ عَنِ الشَّفِيْعِ حَتّٰى يَرْجِعَ عَلَيْهِ بِذٰلِكَ الْقَدْرِ بِخِلَافِ حَطِّ الْكُلِّ لِأَنَّهٗ لَايَلْتَحِقُ بِأَصْلِ الْعَقْدِ بِحَالٍ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) عبارت میں مذکورہ تمام مسائل کی مع دلائل وضاحت کریں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

الجواب

(الف) ترجمہ: اور جب بائع نے مشتری سے کچھ ثمن کم کر دیا تو وہ شفیع کے لیے ساقط ہو جائے گا اور اگر بائع نے سارا ثمن کم کر دیا تو یہ کمی شفیع کے اوپر سے ساقط نہ ہوگی؛ اس لیے کہ بعض کو کم کر دینا اصل عقد کے ساتھ لاحق ہوتا ہے تو یہ کمی شفیع کے حق میں ظاہر ہوگی؛ اس لیے کہ باقی بچ گیا وہ ثمن ہے اور ایسے ہی جب کہ بائع نے کم کر دیا

بعد اس کے کہ شفیع اس کو لے چکا ہے، ثمن کے بدلے میں کم کردیا جائے گا (وہ ثمن) شفیع سے یہاں تک کہ شفیع مشتری پر رجوع کریگا اسی مقدار کے مطابق بخلاف کل کو کم کردینے کے اس لیے کہ کمی کسی بھی حال میں اصل عقد کے ساتھ لاحق نہ ہوگی۔

(ب) عبارت میں مذکورہ تمام مسائل کی مع دلائل توضیح: جب بائع نے مشتری کے ذمہ سے کچھ ثمن کم کردیا تو یہ شفیع کے ذمے سے بھی ساقط ہوجائے گا اور اگر پورا ثمن کم کردیا (معاف کردیا) تو شفیع کے ذمہ سے کچھ بھی ساقط نہیں ہوگا؛ اس لیے کہ اگر بعض ثمن کو ساقط کرتا ہے تو اس کے بعد بھی ثمن کا نام باقی ہے اور شفیع ثمن ہی دے کر شفعہ لیتا ہے، لہٰذا اس صورت میں یہ کمی اس کے حق میں بھی ظاہر ہوگی اور اسے مکان ملے گا؛ لیکن جب بائع نے پورا ثمن معاف کردیا تو اب یہاں ثمن کا نام ونشان ہی نہیں رہا؛ اس لیے کہ جب پورا ثمن معاف ہوگیا تو کمی کس میں سے ہوگی اب یا تو وہ مکان بائع کی طرف سے ہبہ ہے یا پھر بیع بلا ثمن ہے اور شفعہ نہ تو ہبہ میں ملتا ہے نہ ہی بیع بلا ثمن میں اس لیے کہ یہ بیع فاسد ہے، لہٰذا اگر ہم یہاں شفیع سے پورا ثمن ساقط کردیں گے، تو اس کا حق ہی ختم ہوجائے گا؛ اس لیے کہ شفیع کے حق کی رعایت کرتے ہوئے ہم نے یہاں اس کے حق میں ثمن کی کمی کو نہیں مانا اور پوری قیمت پر اسے مکان لینے کا مکلّف بنایا ہے اور اگر مشتری بائع کی خاطر ثمن میں کچھ زیادتی کردے تو یہ زیادتی شفیع کے حق میں لازم نہ ہوگی؛ اس لیے کہ زیادتی کو معتبر ماننے میں شفیع کا نقصان ہے؛ کیوں کہ اس میں شفیع اس سے کم میں لینے کا مستحق ہے، برخلاف کمی کے؛ کیوں کہ اس میں شفیع کا فائدہ ہی فائدہ ہے۔ (احسن الہدایہ: ۱۳/ ۵۵)

سوال: ۴۷، ہدایہ آخرین: ص/ ۴۰۲ (داخلہ ۱۴۳۷ھ)

(الف) عبارت با اعراب: اَلشُّفْعَةُ وَاجِبَةٌ فِي الْعَقَارِ وَإِنْ كَانَ مِمَّا لَا يُقْسَمُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ: لَا شُفْعَةَ فِيمَا لَا يُقْسَمُ، لِأَنَّ الشُّفْعَةَ

إِنَّمَا وَجَبَتْ دَفْعًا لِمُؤْنَةِ الْقِسْمَةِ وَهٰذَا لَايَتَحَقَّقُ فِيمَا لَايُقْسَمُ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلشُّفْعَةُ فِي كُلِّ شَيْءٍ عَقَارٌ أَوْ رَبْعٌ إِلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ مِنَ الْعُمُوْمَاتِ وَلِأَنَّ الشُّفْعَةَ سَبَبُهَا الْإِتِّصَالُ فِي الْمِلْكِ وَالْحِكْمَةُ دَفْعُ ضَرَرِ سُوْءِ الْجِوَارِ عَلٰى مَامَرَّ وَ إِنَّهُ يَنْتَظِمُ الْقِسْمَيْنِ مَايُقْسَمُ وَمَالَايُقْسَمُ وَهُوَ الْحَمَّامُ وَالرَّحٰى وَالْبِيْرُ وَالطَّرِيْقُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) ہمارے اور امام شافعیؒ کے مسلک اور دلائل کی تشفی بخش وضاحت کریں (ج) اور بتائیں کہ نا قابلِ تقسیم ہونے کا کیا مطلب ہے؟

الجواب

(الف) ترجمہ: شفعہ ثابت ہے زمین میں اگرچہ وہ ان چیزوں میں سے ہو جس کا بٹوارہ نہ ہو سکے اور امام شافعیؒ نے کہا اس چیز میں شفعہ نہیں ہے جس کی تقسیم نہ ہو سکے؛ اس لیے کہ شفعہ قسمت کی مشقت کو دُور کرنے کی غرض سے ثابت ہوتا ہے اور یہ بات متحقق نہیں ہوتی اس چیز میں جس کا بٹوارہ نہ ہو سکے اور ہماری دلیل فرمانِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ شفعہ ہر چیز میں ہے زمین ہو یا منزل، اس کے علاوہ معمولات میں سے اور اس لیے کہ شفعہ اس کا سبب ملک میں اتصال ہے اور حکمت پڑوس کی بُرائی کے ضرر کو دُور کرنا ہے، اس تفصیل کے مطابق جو گزر گئی اور یہ بات دونوں قسموں کو شامل ہے جو قابلِ قسمت ہو اور جو قابلِ قسمت نہ ہو اس کو بھی اور وہ (جو قابلِ قسمت نہ ہو) حمام اور چکی اور کنواں اور راستہ ہے۔

(ب) ہمارے اور امام شافعیؒ کے مسلک اور دلائل کی تشفی بخش توضیح:

(۱) حضرت امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ وہ چیز جو تقسیم کے قابل نہ ہو اس میں شفعہ نہیں ملتا ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

امام شافعیؒ کی دلیل: یہ ہے کہ شفعہ بٹوارے کی مشقت کو دُور کرنے کے لیے مشروع ہوا ہے اور جو چیز بٹوارے کے قابل نہیں ہے اس میں مشقت تقسیم بھی نہیں ہے اور جب یہ علت نہیں پائی جائے تو شفعہ بھی واجب نہیں ہوگا، لہٰذا غیر مقسوم میں چوں کہ یہ علت نہیں ہے تو اس لیے اس میں شفعہ بھی نہیں ہوگا؛ اس لیے کہ ضابطہ بھی ہے "**الحکم ینتفي بنفي العلة**".

(۲) احناف کا مذہب یہ ہے کہ ہر مقسوم اور غیر مقسوم زمین میں شفعہ ثابت ہے۔

احنافؒ کی دلیل: یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "**الشفعة في كل شيء عقار أو ربع إلخ**" اس حدیث میں مطلق زمین اور مکان کے اندر شفعہ کو ثابت کیا گیا ہے خواہ وہ قابل تقسیم ہو یا نہ ہو سب میں شفعہ ثابت ہے۔

عقلی دلیل: یہ ہے کہ شفعہ کا سبب اتصال ملک ہے اور شفعہ کی حکمت برے پڑوس کے ضرر سے بچانا ہے اور یہ دونوں چیزیں تمام زمین و مکان اور ہر طرح کی اشیاء کو شامل ہیں خواہ وہ قابلِ تقسیم ہو یا قابلِ تقسیم نہ ہو۔

"**لأن الشفعة سببها الإتصال في الملك والحكمة دفع ضرر سوء الجوار**".

(ج) اور بتائیں کہ نا قابلِ تقسیم ہونے کا کیا مطلب ہے؟ یہ ہے کہ جو زمین یا مکان وغیرہ تقسیم کے بعد قابلِ انتفاع نہ رہے تو وہ غیر قابلِ قسمت ہے۔

(تفہیم الہدایہ)

سوال: ۳۸، ہدایہ آخرین: ص/۴۰۵ (داخلہ ۱۴۳۵ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَ إِذَا اشْتَرىٰ دَارًا فَسَلَّمَ الشَّفِيعُ الشُّفْعَةَ ثُمَّ رَدَّهَا الْمُشْتَرِي بِخِيَارِ رُؤْيَةٍ أَوْ شَرْطٍ أَوْ بِعَيْبٍ بِقَضَاءِ قَاضٍ فَلَاشُفْعَةَ لِلشَّفِيعِ لِأَنَّهُ فَسْخٌ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ فَعَادَ إِلىٰ قَدِيمِ مِلْكِهِ وَالشُّفْعَةُ فِي إِنْشَاءِ

الْعَقْدِ وَلَا فَرْقَ فِيْ هٰذَا بَيْنَ الْقَبْضِ وَعَدَمِهٖ، وَإِنْ رَدَّهَا بِعَيْبٍ بِغَيْرِ قَضَاءٍ أَوْ تَقَايَلَا الْبَيْعَ فَلِلشَّفِيْعِ الشُّفْعَةُ لِأَنَّهٗ فَسْخٌ فِيْ حَقِّهِمَا لِوَلَايَتِهِمَا عَلٰى أَنْفُسِهِمَا وَقَدْ قَصَدَ الْفَسْخَ وَهُوَ بَيْعٌ جَدِيْدٌ فِيْ حَقِّ ثَالِثٍ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) دونوں مسئلوں کی صورت، ان کا حکم اور ان کے درمیان فرق کی وجہ تحریر کریں (ج) اور بتائیں کہ پہلے مسئلہ میں مشتری کے مبیع پر قبضہ کرنے نہ کرنے سے حکم میں فرق پڑے گا یا نہیں؟ اور دوسرے مسئلہ میں (ثالث) سے کون مراد ہے؟

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

الجواب

(الف) ترجمہ: اور جب مشتری نے گھر خریدا پس شفیع نے شفعہ سے دست برداری دے دی، پھر مشتری نے اس گھر کو خیارِ رؤیت یا خیارِ شرط یا عیب کی وجہ سے قاضی کے فیصلہ کے ساتھ واپس کیا تو شفیع کے لیے شفعہ نہیں ہے؛ اس لیے کہ یہ ہر اعتبار سے فسخ ہے تو مبیع لوٹ گیا بائع کی پرانی ملک کی جانب اور شفعہ انشاءِ عقد میں ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے بضہ کے درمیان اور عدمِ قبضہ کے درمیان، اور اگر واپس کیا مشتری نے گھر کو عیب کی وجہ سے بغیر قضاء کے ان دونوں نے بیع کا اقالہ کر لیا تو شفیع کے لیے شفعہ ہے؛ اس لیے کہ یہ ان دونوں کے حق میں فسخ ہے ان دونوں کی ولایت کی وجہ سے اپنے نفسوں پر حالاں کہ ان دونوں نے فسخ کا ارادہ کیا ہے اور تیسرے کے حق میں یہ جدید بیع ہے۔

(ب) دونوں مسئلوں کی صورت، ان کا حکم اور ان کے درمیان فرق کی وجہ:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ زید نے بکر سے ایک مکان خریدا خالد کو حق شفعہ پہنچا تھا؛ مگر اس نے شفعہ لینے سے انکار کر دیا تو اب اس کا شفعہ باطل ہو چکا ہے۔ اب زید اس مکان کو واپس کرتا ہے یا تو خیارِ رؤیت کے سبب یا خیارِ شرط کے سبب اور عیب کی وجہ سے جب اس نے واپس کیا تو قاضی کے فیصلہ سے کیا۔

بہرحال جب ان تینوں صورتوں میں سے کسی صورت میں مکان مشتری کے پاس واپس آتا ہے تو خالد نے پھر شفعہ کا دعویٰ کر دیا یعنی بکر سے تو خالد نے انکار کر دیا تھا اور اب خالد زید سے اس کو شفعہ میں لینا چاہتا ہے اور اس واپسی کو بیع کا درجہ دے کر شفعہ طلب کرتا ہے تو کیا خالد کو شفعہ ملے گا؟ تو فرمایا کہ نہیں ملے گا؛ کیوں کہ یہ بیع نہیں؛ بلکہ پہلی بیع کا بالکلیہ فسخ ہے تو جب شرط بالکلیہ فوت ہوگئی تو شفعہ ملنے کا کیا سوال؟ سوال یہاں بیع کسی اجنبی کے پاس نہیں آئی؛ بلکہ بائع پہلے بھی اس کا مالک تھا اور اب بھی اس کا مالک ہے، گویا کہ بائع کی ملک میں استمرار ہے اور استمرار کی صورت میں شفعہ نہیں ملتا اور کسی چیز کو اس کی سابق حالت پر واپس کرنے کی صورت میں شفعہ نہیں ملتا؛ بلکہ شفعہ انشاء عقد کی صورت میں ملتا ہے اور عقد کا انشاء یہاں سے نہیں۔ پھر جب مشتری نے ان مذکورہ صورتوں میں مبیع کو واپس کر دیا، تو یہی حکم ہے خواہ قبضہ سے پہلے واپس کرے یا قبضہ کے بعد۔

دوسرے مسئلہ کی وضاحت: یہ ہے کہ اگر بغیر قاضی کے فیصلہ کے عیب کی وجہ سے مبیع کو واپس کر دیا ہو یا دونوں نے اقالہ کر لیا ہو تو اب شفیع کو شفعہ ملے گا یا نہیں؟

تو فرمایا کہ ان دونوں صورتوں میں شفعہ ملے گا؛ چوں کہ یہاں قاضی کا حکم تو ہے نہیں؛ بلکہ ان دونوں کی رضامندی ہے اور یہ دونوں عاقل بالغ ہیں اہلِ ولایت ہیں، اپنے اوپر دونوں کو ولایت حاصل ہے اور ان دونوں نے بیع کو فسخ کرنے کا ارادہ کیا ہے، لہٰذا ان کی ذات تک ان کا ارادہ معتبر ہوگا، اور کہا جائیگا کہ ان دونوں کے حق میں یہ فسخ بیع ہے؛ مگر ان کو اپنے اوپر ہی ولایت ہے شفیع کے اوپر نہیں، لہٰذا ان کا ارادہ شفیع کے اوپر نہیں تھوپا جا سکتا۔

بلکہ یہ کہا جائے گا کہ ان دونوں کے حق میں یہ فسخ ہے اور تیسرے کے حق میں بیع جدید ہے اور شفیع تیسرا ہی ہے اور بیع کہنے میں کچھ حرج بھی نہیں؛ کیوں کہ بیع کی تعریف موجود ہے۔ یعنی مبادلة المال بالمال بالتراضی. بہرحال شفیع کو شفعہ ملے گا اور اقالہ کا یہ حکم

پہلے سے جانا پہچانا ہے کہ وہ متعاقدین کے حق میں فسخ اور ثالث کے حق میں بیع جدید ہے۔

مگر یہ ساری تقریر اس وقت ہے جب کہ خیارِ عیب کی وجہ سے قبضہ کے بعد واپس کرے ورنہ اگر قبضہ سے پہلے واپس کر دے تو اب یہ بالکلیہ فسخ ہے اور بیع جدید کا شائبہ اس کے اندر نہیں ہے، لہٰذا اب شفیع کو شفعہ نہیں ملے گا۔

کیوں کہ خیارِ عیب کی وجہ سے اگر قبضہ کے بعد واپسی ہو تو صفقۂ بیع کے بعد واپسی ہے جو بیع جدید ہو سکتی ہے اور قبضہ سے پہلے صفقہ ہی تام نہیں ہوا، لہٰذا اس کو مجبوراً بالکلیہ فسخ قرار دینا پڑے گا۔

(ج) پہلے مسئلہ میں مشتری کے مبیع پر قبضہ کرنے نہ کرنے سے حکم میں فرق پڑے گا یا نہیں؟

پہلے مسئلہ میں کوئی فرق نہیں کہ وہ قبضہ کرے یا نہ کر دے۔

دوسرے مسئلہ میں (ثالث) سے کون مراد ہے؟

دوسرے مسئلہ میں ''ثالث'' سے مراد شفیع ہی ہے۔

سوال: ۳۹، ہدایہ آخرین: ص/۴۰۷ (داخلہ ۱۴۲۷ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَ إِذَا بَاعَ الشَّفِيْعُ مَايُشْفَعُ بِهٖ قَبْلَ أَنْ يُقْضٰى لَهٗ بِالشُّفْعَةِ بَطَلَتْ شُفْعَتُهٗ لِزَوَالِ سَبَبِ الْإِسْتِحْقَاقِ قَبْلَ التَّمَلُّكِ وَهُوَ الْإِتِّصَالُ بِمِلْكِهٖ وَلِهٰذَا يَزُوْلُ بِهٖ وَإِنْ لَمْ يَعْلَمْ بِشَرَاءِ الْمَشْفُوْعَةِ كَمَا إِذَا سَلَّمَ صَرِيْحًا أَوْ أَبْرَأَ عَنِ الدَّيْنِ وَهُوَ لَايَعْلَمُ بِهٖ وَهٰذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا بَاعَ الشَّفِيْعُ دَارَهٗ بِشَرْطِ الْخِيَارِ لَهٗ لِأَنَّهٗ يَمْنَعُ الزَّوَالَ فَبَقِيَ الْاِتِّصَالُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مـا يشـفـع بـه اور سبب استحقاق کی مراد متعین کریں، نیز وھـذا بـخـلاف إلـخ کی وضاحت کریں

(ج) عبارت کا مطلب تحریر کریں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

الجواب

(الف) ترجمہ: اور جب شفیع نے وہ گھر فروخت کر دیا جس کی وجہ سے وہ شفیع بنا تھا اس کے لیے شفعہ کا فیصلہ کیے جانے سے پہلے تو اس کا شفعہ باطل ہو گیا مالک بننے سے پہلے ہی استحقاق کا سبب زائل ہونے کی وجہ سے اور وہ شفیع کی ملکیت کے ساتھ اتصال ہے اور ایسی وجہ سے زائل ہو جائے گا۔ حق شفعہ اسے (شفیع کے اپنا گھر بیچنے کی وجہ سے) اگرچہ وہ نہ جانے دارِ مشفوعہ کی شراء کو جیسا کہ جب کہ شفیع نے صراحۃً دست برداری دے دی ہو یا اس نے قرض سے بری کر دیا ہو؛ حالاں کہ وہ دین کو نہیں جانتا اور یہ اس صورت کے خلاف ہے، جب کہ شفیع نے اپنا گھر فروخت کیا ہو اپنے لیے خیار کی شرط کے ساتھ اس لیے کہ یہ زوال کو روکتا ہے تو اتصال باقی ہے۔

(ب) مایشفع به اور سبب استحقاق کی مراد:

"**مایشفع به**" سے مراد وہ مکان ہے جس کا شفیع مالک تھا اور جس کی بناء پر حق شفعہ حاصل ہوا تھا۔

سبب استحقاق: سے مراد شفیع کی ملکیت کا بائع کی ملکیت سے اتصال ہے یہ اتصال ملک ہی سبب استحقاق ہے "**سبب الاستحقاق وهو اتصال الملك**".

وهذا بخلاف الخ عبارت کی توضیح: اس عبارت سے یہ بتا رہے ہیں کہ شفیع نے دارِ مشفوعہ کے برابر والا اپنا مکان فروخت تو کر دیا؛ مگر اس نے اپنے لیے خیارِ شرط لگا دی، تو چوں کہ خیارِ شرط کی وجہ سے وہ مکان ابھی تک اسی کی ملکیت میں ہے اور جب مکان اس کی ملکیت میں ہے تو دارِ مشفوعہ سے اس کا اتصال برقرار ہے اور اتصال ہی سے شفعہ ملتا ہے، لہٰذا اسے شفعہ ملے گا؛ اس لیے کہ خیارِ بائع کی ملکیت کو زائل نہیں کرتا ہے "**لأن خيار البائع يمنع زوال الملك فبقي الاتصال وهو السبب فلا تسقط شفعته**"۔

عبارت کا مطلب: مذکورہ بالا عبارت میں مسئلہ یہ ہے کہ نسیم ایک مکان کا مالک ہے اس کے برابر میں ندیم کا مکان ہے اور نسیم اس کا شفیع ہے، اب اگر ندیم نے اپنا مکان فروخت کیا اور ابھی تک نسیم کے لیے قاضی نے شفعہ کا فیصلہ نہیں کیا تھا کہ نسیم نے بھی اپنا مکان فروخت کر دیا، اب نسیم کو شفعہ نہیں ملے گا؛ اس لیے کہ دارِ مشفوعہ کا مالک بننے سے پہلے ہی نسیم کا سبب استحقاق ختم ہو گیا اور وہ سبب ندیم کی ملکیت سے نسیم کی ملکیت سے نسیم کی ملکیت کا اتصال تھا جو ختم ہو گیا اس لیے یہاں اس کا حق شفعہ باطل ہو گیا؛ اس لیے کہ سببِ استحقاق کا زوال شئ مستحق کے زوال کو مستلزم ہے یہی وجہ ہے کہ اگر ندیم نے اپنا مکان فروخت کیا اور نسیم کو اس کا علم نہ ہو سکا، پھر اس نے بھی اپنا مکان فروخت کر دیا تو اس کا حق شفعہ ختم ہو جائے گا؛ اس لیے کہ اپنا حق ساقط کرنے کے لیے مسقط کا جاننا ضروری نہیں ہے اور جب علم مسقط ضروری نہیں ہے تو اس کے بغیر بھی اپنا حق ساقط کر سکتا ہے، لہٰذا عدمِ علمِ شراء کے بغیر اگر نسیم نے اپنا مکان فروخت کر دیا تو یہ اس کے حق میں عذر نہیں ہوگا؛ بلکہ ایسا ہی ہوگا جیسا کہ دارِ مشفوعہ کی بیع کے بعد شفیع نے صراحتاً اپنا حق ساقط کر دیا ہو، ظاہر ہے کہ اس صورت میں اسے شفعہ نہیں ملے گا۔

ایسے ہی اس میں جب کہ قرض خواہ کو اپنے دین کا علم نہ ہو اور قرض دار کو بَری کر دے تو وہ بَری ہو جائے گا، اسی طرح شفعہ میں بھی یہ ہی حکم ہے اس مسئلہ کے برخلاف اگر شفیع نے اپنا مکان خیارِ شرط کے ساتھ فروخت کیا ہو تو اس کا حق شفعہ باطل نہیں ہوگا؛ اس لیے کہ خیار زوالِ ملکیت سے مانع ہے، لہٰذا اتصال بدستور باقی ہے۔

سوال: ۴۰، ہدایہ آخرین: ص/۴۰۹ (داخلہ ۱۴۳۸ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَتَسْلِيمُ الْأَبِ وَالْوَصِيِّ الشُّفْعَةَ عَلَى الصَّغِيرِ جَائِزٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَ أَبِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَزُفَرُ هُوَ عَلَى شُفْعَتِهِ إِذَا بَلَغَ قَالُوْا وَعَلَى هٰذَا الْخِلَافِ إِذَا بَلَغَهُمَا شِرَاءُ دَارٍ بِجِوَارِ دَارِ الصَّبِيِّ

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

فَلَمْ يَطْلُبَا الشُّفْعَةَ وَعَلٰى هٰذَا الْخِلَافِ تَسْلِيْمُ الْوَكِيْلِ بِطَلَبِ الشُّفْعَةِ فِيْ رِوَايَةِ كِتَابِ الْوَكَالَةِ وَهُوَ الصَّحِيْحُ لِمُحَمَّدٍ وَزُفَرَ أَنَّهُ حَقٌّ ثَابِتٌ لِلصَّغِيْرِ فَلَا يَمْلِكَانِ اِبْطَالَهُ كَدِيَّتِهِ وَقَوَدِهِ وَلِأَنَّهُ شُرِعَ لِدَفْعِ الضَّرَرِ فَكَانَ اِبْطَالُهُ اِضْرَارًا بِهِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ضمیروں کے مرجع کی تعیین کے ساتھ ترجمہ کریں (ب) مختلف فیہ تینوں مسائل کی صورتیں بیان کریں (ج) وصی، شفعہ اور وکالت کی تعریف کر کے اس مسئلے میں حضرات شیخین کی دلیل تحریر کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: (امام محمدؒ نے جامع صغیر میں) فرمایا اور باپ اور وصی کا سپرد کر دینا شفعہ کو بچہ کے اوپر جائز ہے، امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اور امام محمدؒ اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ بچہ اپنے شفعہ پر رہے گا جب کہ بالغ ہو جائے۔ مشائخ نے فرمایا ہے اور اس اختلاف پر ہے جب کہ ان دونوں کو بچہ کے گھر کے پڑوس میں گھر کی خرید کی خبر پہنچی ہو پس انہوں نے شفعہ طلب نہ کیا ہو اور اسی اختلاف پر ہے طلبِ شفعہ کے وکیل کا دست برداری دینا مبسوط کی کتاب الوکالۃ کے مطابق اور یہی صحیح ہے۔ اور امام محمدؒ اور امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ حق شفعہ ایسا حق ہے جو بچہ کے لیے ثابت ہے تو یہ دونوں اس کے ابطال کے مالک نہ ہوں گے، جیسا کہ اس کی دیت اور اس کا قصاص اور اس لیے کہ یہ حق مشروع ہوا ہے ضرر کو دُور کرنے کے لیے تو اس کا ابطال بچہ کو نقصان پہنچانا ہو جائے گا۔

(ب) مختلف فیہ تینوں مسائل کی صورتیں: صغیر کی ماں کا انتقال ہو گیا تھا جس سے اس کو ایک مکان میراث میں ملا تھا اب اس کے پڑوں میں ایک مکان فروخت ہوا جس میں بچہ کو شفعہ پہنچتا ہے؛ مگر باپ نے یا باپ نہ ہونے کی صورت میں

وصی نے شفعہ سے دست برداری دے دی تو یہ صحیح ہے یا نہیں؟

تو حضرات شیخین نے اس کو جائز کہا اور امام محمدؒ وزفرؒ نے اس کو جائز نہیں کہا؛ بلکہ اس کو معتبر نہیں مانا اور بچہ بالغ ہونے کے بعد اپنے شفعہ پر برقرار رہے گا، ان دونوں نے صراحۃً دست برداری دے دی ہو یا شفعہ کی طلب نہ کی ہو تو دونوں صورتوں میں یہی اختلاف ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

اور اگر کسی نے کسی کو اپنے لیے طلبِ شفعہ کا وکیل بنایا ہو اس گھر کے اندر جو اس کے پڑوس میں فروخت ہوا اور اس وکیل نے شفعہ طلب کے بجائے شفعہ سے دست برداری دے دی ہو تو اس میں بھی یہی اختلاف ہے۔(اسی کو مصنفؒ نے فرمایا:"وهو الصحيح" یہ اس لیے فرمایا تا کہ اس روایت کی تردید ہو جائے جس میں حضرات طرفین کو ایک ساتھ کہا گیا ہے اور امام ابو یوسفؒ کے قول کو ان دونوں کے خلاف کہا گیا ہے)۔

(ج) وصی، شفعہ، وکالت کی تعریف:

(۱) وصی: اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کو موصی نے اپنی وصیت کے نافذ کرنے کا حکم دیا ہو اور وصی موصی کے قائم مقام ہوتا ہے۔

(۲) شفعہ: یہ ہے کہ شرکت یا پڑوس کی بنیاد پر مشتری کی ادا کردہ قیمت کے بقدر دے کر کسی منفعت کو اپنی ملکیت میں لینا "تملك المنفعة بماقام على المشتري بالشركة أو الجوار". (البناية: ج/۱۱، ص/۲۷۴)

(۳) وکالت: عبارة عن اقامة الإنسان غيره مقام نفسه في تصرف معلوم.

مسئلۂ مذکورہ میں حضرات شیخینؒ کی دلیل: مذکورہ مسئلہ میں شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ شفعہ میں ایک قسم کی تجارت ہے جس میں نفع اور نقصان دونوں کا احتمال ہے اور بچہ پر ولایت اس لیے ملتی ہے کہ اس کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کیا جائے۔

اور کبھی ترکِ شفعہ ہی میں شفقت ہوگی؛ کیوں کہ مصلحت کا یہاں یہی تقاضہ ہے؛

اس لیے باپ اور وصی کو یہ حق حاصل ہوا کہ وہ شفعہ لینا چھوڑ دیں اور جس طرح صراحۃً ابطال کا حکم ہے سکوت کا بھی یہی حکم ہے؛ کیوں کہ سکوت اعراض کی دلیل ہے، تو گویا دونوں صورتوں میں اعراض پایا گیا۔ اوّل میں صراحۃً اور ثانی میں دلالۃً.

سوال: ۴۱، ہدایہ آخرین: ص ۴۱۳/ (داخلہ ۱۴۳۴ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَإِذَا كَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الشُّرَكَاءِ يَنْتَفِعُ بِنَصِيْبِهِ قَسَمَ بِطَلَبِ اَحَدِهِمْ لِأَنَّ الْقِسْمَةَ حَقٌّ لَازِمٌ فِيمَا يَحْتَمِلُهَا عِنْدَ طَلَبِ أَحَدِهِمْ وَإِنْ كَانَ يَنْتَفِعُ أَحَدُهُمَا وَيُسْتَضَرُّ بِهِ الْآخَرُ لِقِلَّةِ نَصِيْبِهِ فَإِنْ طَلَبَ صَاحِبُ الْكَثِيْرِ قَسَمَ وَإِنْ طَلَبَ صَاحِبُ الْقَلِيْلِ لَمْ يُقْسَمْ لِأَنَّ الْأَوَّلَ مُنْتَفِعٌ بِهِ فَاعْتُبِرَ طَلَبُهُ وَالثَّانِي مُتَعَنِّتٌ فِي طَلَبِهِ فَلَمْ يُعْتَبَرْ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) ''مایقتسم'' اور ''مالایقسم'' کا مطلب واضح کریں (ج) پھر عبارت کی تشریح کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: اور جب شرکاء میں سے ہر ایک اپنے حصہ سے نفع حاصل کر سکتا ہے تو قاضی ان میں سے ایک کی طلب پر تقسیم کر دے گا؛ اس لیے کہ ان چیزوں کو تقسیم کرنا جو تقسیم کا احتمال رکھتی ہیں ان میں سے کسی ایک کی طلب پر حق لازم ہے اور اگر ان میں سے ایک نفع اُٹھا سکتا ہے اور دوسرے کو اپنے حصہ کے کم ہونے کی وجہ سے ضرر ہوگا تو اگر صاحبِ کثیر طلب کرے تو قاضی تقسیم کر دے گا اور اگر صاحبِ قلیل تقسیم کو طلب کر لے تو قاضی تقسیم نہیں کرے گا؛ اس لیے کہ اوّل تو اپنے حصہ سے منتفع ہو سکتا ہے، لہٰذا اس کی طلب کا اعتبار کیا جائے گا اور دوسرا اپنی طلب میں بربادی چاہنے والا ہے تو اس کی طلب معتبر نہ ہوگی۔

(ب) "ما یقتسم" اور "ما لا یقسم" کا مطلب: قابلِ قسمت کا مطلب یہ ہے کہ جو زمین یا مکان وغیرہ تقسیم کے بعد قابلِ انتفاع ہو تو وہ قابلِ قسمت ہے۔

غیر قابلِ قسمت کا مطلب یہ ہے کہ جو زمین یا مکان وغیرہ تقسیم کے بعد قابلِ انتفاع نہ رہے تو وہ غیر قابلِ قسمت ہے۔ (تفہیم الہدایہ)

(ج) عبارت کی تشریح: عبارت کا حاصل یہ ہے کہ جب ہر شریک کو اپنے حصے سے انتفاع کا مکمل اختیار ہے، تو اگر ایک جنس کی کوئی چیز چند آدمیوں کے درمیان مشترک ہو تو ان میں سے کسی ایک کی درخواست پر قاضی اسے تقسیم کر دے گا اور اگر کوئی تقسیم کا منکر ہے تو اس پر جبر بھی کیا جائے گا؛ کیوں کہ قابلِ قسمت چیزوں میں تقسیم حق لازم ہے، لہٰذا ایک شریک کے مطالبے پر قاضی کو تقسیم کرنا پڑے گا۔

اور اگر ایک زمین کے دو شریک ہیں ان میں سے ایک کا حصہ زیادہ ہے اور دوسرے کا بہت کم کہ تقسیم کے بعد قابلِ انتفاع نہیں رہ جائے گا، اب اگر ان میں سے کوئی تقسیم کا مطالبہ کرے تو کیا شکل ہوگی، اگر زیادہ حصے والا تقسیم کا مطالبہ کرتا ہے تو تقسیم ہوگی؛ ورنہ نہیں، یہ قدوری میں مذکور ہے؛ اس لیے کہ صاحبِ کثیر کو طلب سے فائدہ ہوگا کہ اس کی طلب معتبر نہیں ہوگی اور اس کے مطالبے پر تقسیم عمل میں نہیں آئے گی۔ (احسن الہدایہ: ج/۱۳، ص/۱۳۶)

Website: MadarseWale.blogspot.com
Website: NewMadarsa.blogspot.com

سوال: ۴۲، ہدایہ آخرین: ص/۴۱۳ (داخلہ ۱۴۲۴ھ)

(الف) عبارت با اعراب: وَإِذَا كَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الشُّرَكَاءِ يَنْتَفِعُ بِنَصِيْبِهِ قَسَمَ بِطَلَبِ أَحَدِهِمْ لِأَنَّ الْقِسْمَةَ حَقٌّ لَازِمٌ فِيْمَا يَحْتَمِلُهَا عِنْدَ طَلَبِ أَحَدِهِمْ وَإِنْ كَانَ يَنْتَفِعُ أَحَدُهُمَا وَيُسْتَضَرُّ بِهِ الْآخَرُ لِقِلَّةِ نَصِيْبِهِ فَإِنْ طَلَبَ صَاحِبُ الْكَثِيْرِ قَسَمَ وَإِنْ طَلَبَ صَاحِبُ الْقَلِيْلِ لَمْ يُقْسَمْ لِأَنَّ الْأَوَّلَ مُنْتَفِعٌ بِهِ فَاعْتُبِرَ طَلَبُهُ وَالثَّانِيْ مُتَعَنِّتٌ فِيْ طَلَبِهِ فَلَمْ يُعْتَبَرْ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) ''مــا یـقتسـم'' اور ''مــا لا یــقســم'' کا مطلب واضح کریں (ج) پھر عبارت کی تشریح کریں (د) ''متعنت'' کا مطلب بتائیے اور مسئلہ میں جو اختلاف ہے اس کو بھی بیان کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: اور جب شرکاء میں سے ہر ایک اپنے حصہ سے نفع حاصل کر سکتا ہے تو قاضی ان میں سے ایک کی طلب پر تقسیم کر دے گا؛ اس لیے کہ ان چیزوں کو تقسیم کرنا جو تقسیم کا احتمال رکھتی ہیں ان میں سے کسی ایک کی طلب پر حق لازم ہے اور اگر ان میں سے ایک نفع اُٹھا سکتا ہے اور دوسرے کو اپنے حصہ کے کم ہونے کی وجہ سے ضرر ہوگا تو اگر صاحبِ کثیر طلب کرے تو قاضی تقسیم کر دے گا اور اگر صاحبِ قلیل تقسیم کو طلب کرلے تو قاضی تقسیم نہیں کرے گا؛ اس لیے کہ اوّل تو اپنے حصہ سے منتفع ہو سکتا ہے، لہٰذا اس کی طلب کا اعتبار کیا جائے گا اور دوسرا اپنی طلب میں بربادی چاہنے والا ہے تو اس کی طلب معتبر نہ ہوگی۔

(ب) ''مــا یقتسم'' اور ''مــا لا یقسم'' کا مطلب: قابلِ قسمت کا مطلب یہ ہے کہ جو زمین یا مکان وغیرہ تقسیم کے بعد قابلِ انتفاع ہو تو وہ قابلِ قسمت ہے۔

غیر قابلِ قسمت کا مطلب یہ ہے کہ جو زمین یا مکان وغیرہ تقسیم کے بعد قابلِ انتفاع نہ رہے تو وہ غیر قابلِ قسمت ہے۔ (تفہیم الهدایہ)

(ج) عبارت کی تشریح: عبارت کا حاصل یہ ہے کہ جب ہر شریک کو اپنے حصے سے انتفاع کا مکمل اختیار ہے، تو اگر ایک جنس کی کوئی چیز چند آدمیوں کے درمیان مشترک ہو تو ان میں سے کسی ایک کی درخواست پر قاضی اسے تقسیم کر دے گا اور اگر کوئی تقسیم کا منکر ہے تو اس پر جبر بھی کیا جائے گا؛ کیوں کہ قابلِ قسمت چیزوں میں تقسیم حق لازم ہے، لہٰذا ایک شریک کے مطالبے پر قاضی کو تقسیم کرنا پڑے گا۔

اور اگر ایک زمین کے دو شریک ہیں ان میں سے ایک کا حصہ زیادہ ہے اور دوسرے کا بہت کم کہ تقسیم کے بعد قابلِ انتفاع نہیں رہ جائے گا، اب اگر ان میں سے کوئی تقسیم کا مطالبہ کرے تو کیا شکل ہوگی، اگر زیادہ حصے والا تقسیم کا مطالبہ کرتا ہے تو تقسیم ہوگی؛ ورنہ نہیں، یہ قدوری میں مذکور ہے؛ اس لیے کہ صاحبِ کثیر کو طلب سے فائدہ ہوگا کہ اس کی طلب معتبر نہیں ہوگی اور اس کے مطالبے پر تقسیم عمل میں نہیں آئے گی۔ (احسن الہدایہ: ج ۱۳/ص ۱۳۶)

(د) ''متعنت'' کا مطلب: مثلاً دو شریک ہیں، ان میں سے ایک کا حصہ بہت کم ہے کہ قسمت کے بعد جس سے انتفاع نہ ہوسکے اور دوسرے کا حصہ زیادہ ہے کہ قسمت کے بعد بھی اس سے انتفاع ہوگا تو اوّل اگر قسمت کو طلب کرے تو کہا جائے گا کہ وہ اپنی طلب میں ''متعنت'' ہے یعنی بربادی چاہنے والا؛ کیوں کہ اگر قاضی تقسیم کردے گا تو وہ چیز قابلِ انتفاع نہیں رہے گی؛ اس لیے قاضی تقسیم نہیں کرے گا۔

مسئلہ میں جو اختلاف ہے اس کی توضیح: دو شریک ہیں ان میں سے ایک کا حصہ بہت کم ہے کہ قسمت کے بعد جس سے انتفاع نہ ہوسکے اور دوسرے کا حصہ زیادہ ہے کہ قسمت کے بعد بھی اس سے انتفاع ہوگا اور ان میں سے ایک تقسیم کا مطالبہ کرتا ہے تو اب قاضی کیا کرے، اس بارے میں اختلاف ہوگیا۔

(۱) صاحبِ قدوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر طلب کرنے والا صاحبِ کثیر ہے تو بٹوارہ کردیا جائے گا اور صاحبِ قلیل کی طلب پر بٹوارہ نہ ہوگا؛ اس لیے کہ اوّل کی طلب تو معتبر ہے؛ کیوں کہ اس کا نفع برقرار ہے اور دوسرے کی طلب غیر معتبر ہے؛ کیوں کہ وہ اپنی بربادی چاہنے والا ہے۔

(۲) اور علامہ جصاصؒ فرماتے ہیں کہ اوّل کی طلب پر تقسیم نہ ہوگی اور دوسرے کی طلب پر ہوجائے گی۔ دوسری کی طلب تو اس لیے معتبر ہے کہ وہ اپنے نقصان سے راضی ہے اور اوّل کی طلب اس لیے معتبر نہیں کہ وہ دوسرے کو تکلیف دینے کے درپے ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(۳) اور حاکم شہیدؒ نے اپنی مختصر میں بیان فرمایا کہ جونسا بھی قسمت کو طلب کرے تو قاضی تقسیم کردے گا۔

سوال: ۴۳، ہدایہ آخرین: ص/۴۳۵ (داخلہ ۱۴۳۷ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَ إِنْ تَرَکَ الذَّابِحُ التَّسْمِيَةَ عَمَدًا فَالذَّبِيْحَةُ مَيْتَةٌ لَاتُؤْكَلُ وَإِنْ تَرَكَهَا نَاسِيًا أُكِلَ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ أُكِلَ فِي الْوَجْهَيْنِ. وَقَالَ مَالِكٌ: لَاتُؤْكَلُ فِي الْوَجْهَيْنِ وَالْمُسْلِمُ وَالْكِتَابِيُّ فِيْ تَرْكِ التَّسْمِيَةِ سَوَاءٌ، وَعَلٰى هٰذَا الْخِلَافِ إِذَا تَرَكَ التَّسْمِيَةَ عِنْدَ إِرْسَالِ الْبَازِيْ وَالْكَلْبِ وَعِنْدَ الرَّمْيِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) عبارت میں ذکر کردہ تمام مسائل کی مع اختلافِ ائمہ وضاحت کریں (ج) اور خاص طور پر امام شافعیؒ کی نقلی اور عقلی دلیل تحریر کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: اور اگر ذابح نے عمداً تسمیہ چھوڑ دیا تو ذبیحہ مردار ہے، نہیں کھایا جائے گا اور اگر تسمیہ بھول کر چھوڑ دیا تو کھایا جائے گا اور شافعیؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں کھایا جائے گا اور مالکؒ نے فرمایا دونوں صورتوں میں نہیں کھایا جائے گا اور مسلمان اور کتابی تسمیہ چھوڑنے میں برابر ہیں اور اسی اختلاف پر ہے جب کہ چھوڑ دیا ہو باز اور کتے کے چھوڑنے کے وقت اور تیر پھینکنے کے وقت۔

(ب) عبارت میں ذکر کردہ تمام مسائل کی مع اختلافِ ائمہ وضاحت:

حضرت امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ اگر ذابح نے تسمیہ کو ترک کر دیا خواہ عمداً کیا ہو یا نسیاناً دونوں صورتوں میں ذبیحہ حلال ہے اور اس کا کھانا درست ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: قوله عليه السلام: المسلم يذبح على اسم الله تعالیٰ سمّٰی أولم يسمّ.

مذکورہ بالا حدیث میں عمد اور نسیان کی قید کے بغیر مسلمان کے ذبیحہ کھانے کی اجازت دی ہے، خواہ اس نے تسمیہ کہا ہو یا نہ کہا ہو دونوں صورتوں میں ذبیحہ حلال ہے، اس کا کھانا درست ہے۔

حضرت امام مالک کا مذہب: یہ ہے کہ تسمیہ کو عمداً ترک کیا ہو یا ناسیاً دونوں صورتوں میں ذبیحہ مردار ہے، اس کا کھانا درست نہیں ہے۔

امام مالکؒ کی دلیل: احناف کی ذکر کردہ دلیلوں کا ظاہری مفہوم ہے کہ ان دلائل میں عمد اور نسیان کی تفصیل کے بغیر مطلق متروک التسمیہ کو حرام بتایا ہے، لہٰذا دونوں صورتوں میں ذبیحہ حرام ہوگا۔

Website: MadarseWale.blogspot.com
Website: NewMadarsa.blogspot.com

احناف کا مذہب: یہ ہے کہ اگر ذابح نے عمداً تسمیہ ترک کر دیا تو ذبیحہ حرام ہوگا اور اگر ذابح نے بھول کر تسمیہ کو ترک کیا ہے تو یہ ذبیحہ حلال ہے، اس کا کھانا درست ہے۔

احنافؒ کی دلیل: قرآن شریف کی آیتِ کریمہ: قوله تعالیٰ: ﴿وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ آیت ہٰذا میں متروک التسمیہ عمداً کی حرمت کا اعلان کیا گیا ہے۔

دوسری دلیل: اجماعِ صحابہؓ ہے کہ اس کی حرمت پر تمام صحابہؓ اور متقدمین فقہاء کا اجماع ہو چکا ہے۔

تیسری دلیل: عدی بن حاتمؓ کی روایت ہے: قال ﷺ في اٰخره فإنك إنما سميت على كلبك ولم تسم على كلب غيرك علل الحرمة بترك التسمية.

ایک مسئلہ: یہ ہے کہ اگر کسی نے تیر پھینکتے ہوئے یا شکار پر کتا چھوڑتے ہوئے تسمیہ چھوڑ دیا تو اس میں بھی یہی اختلاف ہے یعنی ہمارے یہاں اگر بھول کر چھوڑ دیا اور شکار

پکڑلیا گیا اس حال میں کہ وہ مر چکا ہے تو حلال ہے اور اگر عمداً تسمیہ چھوڑا ہو تو حلال نہیں۔

امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں حلال ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں حلال نہیں ہے۔

(ج) امام شافعیؒ کی نقلی اور عقلی دلیل بھی ملاحظہ فرمائیں:

نقلی دلیل: قوله عليه السلام: المسلم يذبح على اسم الله تعالىٰ سمّى أو لم يسمّ. اس حدیث میں عمداً اور نسیان کی قید کے بغیر مسلمان کے ذبیحہ کھانے کی اجازت دی ہے خواہ اس نے تسمیہ کہا ہو یا نہ کہا ہو دونوں صورتوں میں ذبیحہ حلال ہے، اس کا کھانا درست ہے۔

عقلی دلیل: یہ ہے کہ اگر آپ تسمیہ کو شرط کہیں گے تو پھر وضو کے درجہ میں ہوگا کہ وضوء عمداً چھوڑ دیا یا سہواً بہر صورت نماز نہ ہوگی؛ کیوں کہ اذافات الشرط فات المشروط قاعدہ کلیہ ہے؛ حالاں کہ آپ نسیان کی صورت میں ترکِ تسمیہ کی وجہ سے ذبیحہ کو حلال کہتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ یہ شرط نہیں اور جب شرط نہیں تو اگر عمداً ترک ہو جائے تو ذبیحہ مردار نہ ہوگا۔

سوال: ۴۴، ہدایہ آخرین: ص/۴۳۸ (داخلہ ۱۴۳۸ھ)

(الف) عبارت باعراب: وَيَجُوزُ الذَّبْحُ بِالظُّفُرِ وَالسِّنِّ وَالْقَرْنِ إِذَا كَانَ مَنْزُوعًا حَتّٰى لَايَكُونَ بِأَكْلِهِ بَأْسٌ إِلَّا أَنَّهُ يُكْرَهُ هٰذَا الذَّبْحُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ الْمَذْبُوحُ مَيْتَةٌ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَأَفْرَى الْأَوْدَاجَ مَاخَلَا الظُّفُرَ وَالسِّنَّ فَإِنَّهَا مُدَى الْحَبَشَةِ وَلِأَنَّهُ فِعْلٌ غَيْرُ مَشْرُوعٍ فَلَايَكُونُ ذَكَاةً كَمَا إِذَا ذَبَحَ بِغَيْرِ الْمَنْزُوعِ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: أَنْهِرِ الدَّمَ بِمَا شِئْتَ وَيُرْوٰى أَفْرِ الْأَوْدَاجَ بِمَا شِئْتَ وَمَارَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلٰى غَيْرِ الْمَنْزُوعِ، فَإِنَّ الْحَبَشَةَ كَانُوا يَفْعَلُونَ ذٰلِكَ وَلِأَنَّهُ آلَةٌ جَارِحَةٌ

فَيَحْصُلُ بِهِ مَاهُوَ الْمَقْصُوْدُ وَهُوَ إِخْرَاجُ الدَّمِ وَصَارَ كَالْبَحْرِ وَالْحَدِيْدِ بِخِلَافِ غَيْرِ الْمَنْزُوْعِ لِأَنَّهُ يَقْتُلُ بِالثِّقْلِ فَيَكُوْنُ فِيْ مَعْنَى الْمُنْخَنِقَةِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) خط کشیدہ کلمات کی لغوی تحقیق کریں (ج) یکرہ هذا الذبح کی دلیل تحریر کریں (د) امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب بھی لکھیں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

الجواب

(الف) ترجمہ: اور جائز ہے ذبح کرنا ناخن اور دانت اور سینگ سے جب کہ یہ جدا ہوں یہاں تک کہ اس کے کھانے میں کچھ حرج نہیں ہے؛ مگر یہ ذبح مکروہ ہے اور شافعیؒ نے فرمایا کہ مذبوح مردار ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی وجہ سے کہ ان جانوروں کو کھاؤ جن کا خون نکال دیا گیا ہو اور اوداج کاٹ دی گئی ہوں علاوہ ناخن اور دانت کے؛ اس لیے کہ یہ حبشیوں کی چھری ہے اور اس لیے کہ یہ (ناخن وغیرہ سے ذبح) فعل غیر مشروع ہے تو یہ ذکاۃ نہ ہوگی جیسا کہ غیر منزوع سے ذبح کیا ہو۔ اور ہماری دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تو خون بہا دے کسی چیز سے چاہے اور مروی ہے کہ اوداج کو کاٹ دے جس چیز سے چاہے اور جس روایت کو شافعیؒ نے روایت کیا ہے وہ غیر منزوع پر محمول ہے؛ اس لیے کہ حبشی لوگ ایسا کرتے تھے اور اس لیے کہ یہ زخم کرنے والا آلہ ہے تو جو مقصود ہے وہ اسے حاصل ہو جائیگا اور وہ خون نکلنا ہے اور پتھر اور لوہے کے مثل ہو گیا بخلاف غیر منزوع کے؛ اس لیے کہ ذابح بوجھ سے قتل کرے گا تو یہ منخقہ (گلا گھونٹے ہوئے) کے معنیٰ میں ہو گیا۔

(ب) خط کشیدہ کلمات کی لغوی تحقیق:

(۱) **بالظفر**: الظَّفر والظِّفر والظُّفر یعنی ناخن جمع اظفار، جمع الجمع اظافیر، کہا جاتا ہے مابقي في الدار ظفر یعنی گھر میں کوئی باقی نہیں رہا۔

(۲) **السِّنُّ:** جمع اسنان واسنة واسُن دانت (مؤنث) درانتی یا کنگھی وغیرہ کا دندانہ۔

(۳) **القرن:** مص، سینگ والقرن في الإنسان انسان کے سر کا وہ حصہ جہاں پر جانور کے سینگ نکلتا ہے۔

(۴) **منزوع:** اسم مفعول واحد مذکر کا صیغہ ہے باب (ض) نزع الشیء من مکانہ یعنی اکھیڑنا، نزع الأمیر العامل یعنی معزول کرنا۔

(۵) **انهر:** خون نکلنا، بہانا الدم خون کا بہنا العرق رگ سے خون نہ روکنا۔

(٦) **الودج:** جمع اوداج والوداج معنیٰ گردن کی رَگ جو غصہ کے وقت پھول جاتی ہے اور بقول بعض ودج اس رگ کو کہتے ہیں جس کو ذبح کرنے والا کاٹتا ہے۔

(۷) **مَدیٰ:** المُدیة والمَدیة والمِدیة معنیٰ بڑی چھری جمع مُدیً و مِدیً مُدیاتٌ و مِدیاتٌ.

(۸) **ذکاۃ:** ذکا یذکر ذکًا و ذکاۃً الذبیحۃ معنیٰ ذبح کرنا۔

(۹) **المنخنقة:** خنقة (ن) خَنَقًا و خنقا و خنقة تخنيقا یعنی گلا گھونٹنا کہا جاتا ہے خنقۃ البعیرۃ یعنی اسے روتے روتے پھندا لگ گیا۔

(ج) یکرہ هٰذا الذبح کی دلیل:

یکرہ هٰذا الذبح کی دلیل یہ ہے کہ اس میں آدمی کا جزء استعمال کیا جاتا ہے جس میں انسان کی اہانت ہے، نیز اس میں حیوانات پر سختی ہوتی ہے؛ حالاں کہ ان کے ساتھ بھلائی اور نیکی کا حکم دیا گیا ہے۔

(د) امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب: جواب یہ ہے کہ امام شافعیؒ نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ غیر منزوع پر محمول ہے؛ کیوں کہ حبشی لوگ دانتوں اور ناخنوں سے ذبح کیا کرتے تھے، نیز دانت اور ناخن وغیرہ سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے تو یہ دونوں لوہے اور پتھر کے مثل ہو گئے، ہاں اگر ناخن وغیرہ جدا نہ ہوں تو پھر ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔

سوال: ۴۵، ہدایہ آخرین: ص ۴۴۲/۴۴۲ (داخلہ ۱۴۲۶ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَيُكْرَهُ أَكْلُ الطَّافِي مِنْهُ وَقَالَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَابَأْسَ بِهٖ لِإِطْلَاقِ مَارَوَيْنَا وَلِأَنَّ مَيْتَةَ الْبَحْرِ مَوْصُوْفَةٌ بِالْحِلِّ بِالْحَدِيْثِ، وَلَنَا مَاوَرَى جَابِرٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّهُ قَالَ مَانَضَبَ عَنْهُ الْمَاءُ فَكُلُوْا وَمَالَفَظَهُ الْمَاءُ فَكُلُوْا وَمَاطَفَا فَلَاتَأْكُلُوْا وَعَنْ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ مِثْلُ مَذْهَبِنَا وَمَيْتَةُ الْبَحْرِ مَالَفَظَهُ الْبَحْرُ لِيَكُوْنَ مَوْتُهُ مُضَافًا إِلَى الْبَحْرِ لَامَامَاتَ فِيْهِ مِنْ غَيْرِ آفَةٍ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مسئلہ کی تشریح کر کے فریقین کے دلائل کی وضاحت کریں (ج) سمکِ طافی کی تعریف کریں اور بتائیے "میتة البحر إلخ" سے شارح کیا کہنا چاہتے ہیں؟

الجواب

(الف) ترجمہ: اور مچھلی میں سے طافی (جو مر کر اُلٹی ہو جائے) مکروہ ہے اور مالکؒ اور شافعیؒ نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اس حدیث کے مطلق ہونے کی وجہ سے جس کو ہم روایت کر چکے ہیں اور اس لیے کہ دریا کا مردار حدیث کی وجہ سے حلت کے ساتھ موصوف ہے اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس کو جابرؓ نے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جس مچھلی سے پانی خشک ہو گیا ہو پس تم اس کو کھاؤ اور جس کو دریا نے پھینک دیا اس کو کھاؤ اور جو اُلٹی ہو گئی ہو تو مت کھاؤ اور صحابہؓ کی ایک جماعت سے ہمارے مذہب کے مثل منقول ہے اور دریا کا مردار وہ ہے جس کو دریا نے پھینک دیا ہو؛ تاکہ اس کی موت دریا کی جانب مضاف ہو سکے نہ وہ جو کہ دریا میں بغیر آفت کے مر گئی (یعنی طافی)۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ب) مسئلہ کی تشریح اور فریقین کے دلائل کی وضاحت: ہر قسم کی مچھلی حلال ہے، زندہ ہو یا مردہ؛ البتہ جو مچھلی خود بخود مرگئی بغیر کسی آفت و مصیبت کے مرجائے اور دریا میں اُلٹی ہوجائے کہ پیٹ اور پشت نیچے ہوجائے جس کو طافی کہتے ہیں یہ مکروہِ تحریمی ہے۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اس کو بھی حلال قرار دیتے ہیں اور دلیل پیش کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "هو الطهور ماؤه والحل ميتته" سے تو جب دریا کا مردار حلال ہے تو طافی بھی تو دریا کا مردار ہے۔

ہماری دلیل: حضرت جابرؓ کی وہ حدیث ہے جو یہاں مذکور ہے یعنی جس دریا میں پانی خشک ہو اور پانی سوکھنے کی وجہ سے مچھلی مرگئی تو اس کو کھانا حلال ہے؛ کیوں کہ یہ موت آفت کی وجہ سے ہے اور اگر دریا کے پانی میں زوردار حرکت ہوئی جس کی وجہ سے مچھلی دریا سے باہر آگئی اور مرگئی تو یہ حلال ہے؛ کیوں کہ آفت کی وجہ سے ہے؛ لیکن جو طافی ہو اس کو کھانا حلال نہیں ہے۔ صحابہؓ کی ایک جماعت بھی اسی کی قائل ہے۔

اور "الحل ميتته" سے استدلال تام نہیں؛ بلکہ وہ مچھلی جس کی موت دریا کی جانب منسوب و مضاف ہو وہ دریا کا مردار کہلائے گی یعنی جس کو دریا نے باہر پھینک دیا ہو تو اس کو اس حدیث میں حلال کہا گیا ہے اور اس کو ہم بھی حلال کہتے ہیں۔

(ج) سمکِ طافی کی تعریف: سمکِ طافی اُس مچھلی کو کہا جاتا ہے جو پانی کے اندر خود مرگئی ہو اور اُلٹی ہو کر پانی کے اوپر آگئی ہو۔

الطافي هو الذي يموت في الماء حتف انفه فيعلو على وجه الماء ويظهر. (البنایہ: ج/۱۱، ص/۶۰۹).

"ميتة البحر إلخ" سے شارح کیا کہنا چاہتے ہیں؟

ميتة البحر إلخ سے مراد یہ ہے کہ دریا کا مردار حدیث مذکور یعنی "هو الطهور ماء ه والحل ميتته" سے حلت ثابت ہوتی ہے اور یہ اس طرح کہ حدیث

میں دریا کے مردار کو حلال کہا گیا اور طافی بھی دریا کا مردار ہے تو یہ بھی حلال ہے۔ (یہ قول امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا ہے اور اس کا جواب اوپر گزر چکا ہے)۔

سوال: ۴۶، ہدایہ آخرین: ص/۴۶۱ (داخلہ ۱۴۳۴ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَتَنْظُرُ الْمَرْأَةُ مِنَ الْمَرْأَةِ إِلٰى مَايَجُوْزُ لِلرَّجُلِ أَنْ يَّنْظُرَ إِلَيْهِ مِنَ الرَّجُلِ لِوُجُوْدِ الْمُجَانَسَةِ وَانْعِدَامِ الشَّهْوَةِ غَالِبًا كَمَا فِيْ نَظْرِ الرَّجُلِ إِلَى الرَّجُلِ وَكَذَا الضَّرُوْرَةُ قَدْ تَحَقَّقَتْ إِلَى الْإِنْكِشَافِ فِيْمَا بَيْنَهُنَّ وَعَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَؒ أَنَّ نَظَرَ الْمَرْأَةِ كَنَظْرِ الرَّجُلِ إِلٰى مَحَارِمِهٖ بِخِلَافِ نَظْرِهَا إِلَى الرَّجُلِ لِأَنَّ الرِّجَالَ يَحْتَاجُوْنَ إِلٰى زِيَادَةِ الْإِنْكِشَافِ لِلْاِشْتِغَالِ بِالْأَعْمَالِ وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) پھر عبارت کی تشفی بخش تشریح کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: اور دیکھے عورت، عورت کے اس حصہ کو کہ جائز ہے مرد کے لیے کہ دیکھے اس کی جانب مرد کے مجانست پائے جانے کی وجہ سے اور شہوت نہ ہونے کی وجہ سے غالبًا جیسا کہ مرد کے دیکھنے میں مرد کی جانب اور ایسے ہی ضرورت متحقق ہے ان کے درمیان انکشاف کی جانب اور ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ عورت کا عورت کی جانب مرد کے دیکھنے کے مثل ہے اپنے محارم کی جانب بخلاف عورت کے دیکھنے کے مرد کی جانب؛ اس لیے کہ مرد زیادہ انکشاف کے محتاج ہیں کاموں میں اشتغال کی وجہ سے اور اوّل اصح ہے۔

(ب) عبارت کی تشفی بخش تشریح: مرد دوسرے مرد کے بدن کا جتنا حصہ دیکھ سکتا ہے اتنا ہی ایک عورت دوسری عورت کا دیکھ سکتی ہے؛ کیوں کہ یہ ہم جنس ہیں اور عموماً شہوت

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

نہیں ہوتی، جیسے مرد کے دیکھنے میں دوسرے مرد کی جانب اوراس لیے بھی کہ عورتیں آپس میں اتنے بدن کے کھولنے کی حمام وغیرہ میں ضرورت محسوس کرتی ہیں،لہٰذااس کی اجازت ہوگی۔

حضرت امام صاحبؒ سے روایت ہے کہ عورتوں کا حکم آپس میں جیسا ہے جیسا کہ مرد کا حکم ہے اپنی محارم کے بارے میں یعنی پیٹ اور کمر دیکھنے کا عدمِ جواز؛ البتہ عورت مرد کا پیٹ اور کمر دیکھ سکتی ہے؛ کیوں کہ مرد کاموں میں اشتغال کی وجہ سے زیادہ انکشاف کے محتاج ہیں؛ مگر پہلا قول اصح ہے یعنی عورت کے لیے جواز ہے کہ وہ دوسری عورت کی کمر اور پیٹھ دیکھے۔

سوال: ۴۷، ہدایہ آخرین: ص/۴۷۰ (داخلہ ۱۴۳۵ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَإِذَا بَاعَ الْمُسْلِمُ خَمْرًا وَ أَخَذَ ثَمَنَهَا وَعَلَيْهِ دَيْنٌ فَإِنَّهُ يُكْرَهُ لِصَاحِبِ الدَّيْنِ أَنْ يَأْخُذَ مِنْهُ وَ إِنْ كَانَ الْبَائِعُ نَصْرَانِيًّا فَلَا بَأْسَ بِهِ وَالْفَرْقُ أَنَّ الْبَيْعَ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ قَدْ بَطَلَ لِأَنَّ الْخَمْرَ لَيْسَ بِمَالٍ مُتَقَوِّمٍ فِي حَقِّ الْمُسْلِمِ فَبَقِيَ الثَّمَنُ عَلٰى مِلْكِ الْمُشْتَرِي فَلَايَحِلُّ أَخْذُهُ مِنَ الْبَائِعِ وَفِي الْوَجْهِ الثَّانِي صَحَّ الْبَيْعُ لِأَنَّهُ مَالٌ مُتَقَوَّمٌ فِي حَقِّ الذِّمِّيِّ فَمَلَكَهُ الْبَائِعُ فَيَحِلُّ الْأَخْذُ مِنْهُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) صورتِ مسئلہ بوضاحت لکھ کر اس کا حکم تحریر کریں اور بتائیں کہ بائع کے مسلم اور نصرانی کی وجہ سے حکم میں فرق کیوں ہوا؟ (ج) اور مالِ متقوم کسے کہتے ہیں؟

الجواب

(الف) ترجمہ: اور جب مسلمان نے شراب بیچی اور اس کا ثمن لے لیا اور اس پر قرض ہے تو قرض والے کے لیے مکروہ ہے کہ اس سے یہ لے اور اگر بائع نصرانی ہو تو

اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور فرق یہ ہے کہ بیع پہلی صورت میں باطل ہوگئی؛ اس لیے کہ شراب مسلمان کے حق میں مالِ متقوم نہیں ہے تو ثمن مشتری کی ملک پر باقی رہا تو بائع سے اس کا لینا حلال نہیں ہے اور دوسری صورت میں بیع صحیح ہوگئی؛ اس لیے کہ وہ ذمی کے حق میں مالِ متقوم ہے تو بائع اس کا مالک ہوگیا تو اسے لینا حلال ہے۔

(ب) **صورتِ مسئلہ کی وضاحت:** مسئلہ یہ ہے کہ مسلمان کے حق میں شراب مالِ متقوم نہیں ہے اور ذمیوں کے حق میں مالِ متقوم ہے، لہٰذا کسی مسلمان کا کسی پر قرض ہو اور وہ شراب بیچ کر اس کا قرض اداء کرتا ہے تو اب دو صورتیں ہیں: یہ بائع مسلمان ہے یا ذمی؟ اگر ذمی ہے تو چوں کہ وہ اس کا مالک ہو چکا ہے تو اس کو لینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر مسلمان ہے تو لینا حلال نہیں ہے؛ کیوں کہ مسلمان خود اس کا مالک نہیں بنا؛ بلکہ اس کا مالک تو مشتری ہے؛ اس لیے کہ لینا حلال نہیں ہے۔

بائع کے مسلم اور نصرانی کی وجہ سے حکم میں فرق کیوں ہوا؟ اس لیے کہ جو شی نصرانی کے حق میں مالِ متقوم ہے وہ مسلمان کے حق میں مالِ متقوم نہیں ہے؛ اس لیے دونوں کے درمیان فرق ہوگیا ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ج) مالِ متقوم کسے کہتے ہیں؟

المال المتقوم: هو الذي له قيمة مالية في الشرح حيث اباح الانتفاع به في حالة السعة والاختيار.

سوال: ۴۸، ہدایہ آخرین: ص/۴۷۲ (داخلہ ۱۴۳۶ھ)

(الف) **عبارت بااعراب:** وَيُكْرَهُ بَيْعُ السِّلَاحِ فِي أَيَّامِ الْفِتْنَةِ لِأَنَّهُ تَسْبِيبٌ إِلَى الْمَعْصِيَةِ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ فِي السِّيَرِ، وَلَا بَأْسَ بِبَيْعِ الْعَصِيرِ مِمَّنْ يُعْلَمُ أَنَّهُ يَتَّخِذُهُ خَمْرًا لِأَنَّ الْمَعْصِيَةَ لَا تُقَامُ بِعَيْنِهِ بَلْ بَعْدَ تَغْيِيرِهِ، بِخِلَافِ بَيْعِ السِّلَاحِ فِي أَيَّامِ الْفِتْنَةِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مکروہ کے معنیٰ بیان کرتے ہوئے دونوں مسئلے اور ان کی دلیلوں کی مکمل تشریح کریں اور بتائیں کہ ہتھیار کا کن لوگوں سے اور کب بیچنا مکروہ ہے؟

الجواب

(الف) ترجمہ: اور فتنہ کے زمانہ میں ہتھیار بیچنا مکروہ ہے؛ اس لیے کہ یہ (اہلِ فتنہ کے ہاتھ ہتھیار بیچنا) معصیت کا سبب برانگیختہ کرنا ہے اور ہم اس کو کتاب السیر میں بیان کر چکے ہیں اور شیرۂ انگور بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے اس شخص کے ہاتھ جس کے بارے میں معلوم ہو کہ یہ اس کو شراب بنائے گا؛ اس لیے کہ معصیت عین عصیر کے ساتھ قائم نہیں کی جاتی؛ بلکہ اس کو متغیر کرنے کے بعد بخلاف ہتھیار بیچنے کے فتنہ کے زمانہ میں (اس لیے کہ معصیت عینِ سلاح کے ساتھ قائم ہوتی ہے)۔

(ب) مکروہ کے معنیٰ:

قال صاحب الهداية تكلم الفقهاء في معنى المكروه المرويّ عن محمد نصا أن كل مكروه حرام الا أنه لما لم يجد فيه نصا قاطعا لم يطلق عليه لفظ الحرام وعن أبي حنيفةؒ وأبي يوسفؒ أنّه إلى الحرام أقرب.

دونوں مسئلے اور ان کی دلیلوں کی مکمل تشریح: جب کچھ لوگوں نے امام عادل کے بارے میں اس کے خلاف بغاوت برپا کر رکھی ہے، تو ایسے وقت میں فتنہ اور باغیوں کے ہاتھ جب کہ یہ معلوم ہوا کہ باغیوں میں سے ہے ہتھیار فروخت کرنا مکروہ ہے؛ کیوں کہ یہ معصیت پر تعاون ہے اور فرمانِ باری ہے: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ اور اگر یہ معلوم نہ ہو یہ باغیوں میں سے ہے تو پھر اس کے ہاتھ ہتھیار فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس کو فتنہ میں استعمال نہ کرے تو جانبِ مخالف کا محض شک کی بنیاد پر بیع کو مکروہ نہیں کہا جا سکتا ہے اور

اگر کسی شخص کے بارے میں معلوم ہے کہ یہ شیرۂ انگور کی شراب بنائے گا، اس کے باوجود بھی اس کے ہاتھ شیرۂ انگور فروخت کرنا جائز ہے؛ اس لیے کہ معصیت شراب کے ساتھ وابستہ ہے اور شراب اس کو متغیر کرنے کے بعد بنے گی، بخلاف ہتھیار کے؛ کیوں کہ معصیت ہتھیار سے بغیر کسی تغیر کے قائم ہوتی ہے؛ اس لیے ایامِ فتنہ میں ہتھیار کی بیع مکروہ ہے اور شیرۂ انگور کی بیع جائز ہے۔

سوال: ۴۹، ہدایہ آخرین: ص/ ۵۱۹

(الف) عبارت بااعراب: وَلَايَصِحُّ الرَّهْنُ إِلَّا بِدَيْنٍ مَضْمُوْنٍ لِأَنَّ حُكْمَهُ ثُبُوْتُ يَدِ الْإِسْتِيْفَاءِ وَالْإِسْتِيْفَاءُ يَتْلُو الْوُجُوْبَ قَالَ وَيَدْخُلُ عَلٰى هٰذَا اللَّفْظِ الرَّهْنُ بِأَعْيَانِ الْمَضْمُوْنَةِ بِأَنْفُسِهَا فَإِنَّهُ يَصِحُّ الرَّهْنُ بِهَا وَلَادَيْنَ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) رہن کی تعریف کریں، اس کا سبب، اس کا رکن اور اس کا حکم تحریر کریں (ج) دین مضمون میں مضمون کی قید کا فائدہ تحریر کریں (د) صاحبِ ہدایہ نے جو اعتراض کیا ہے اس کی تشریح کریں، اعیان مضمون بانفسہا و بغیرہا کی وضاحت کریں (ہ) اعتراض کا جواب تحریر کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: فرماتے ہیں کہ دین مضمون کے بدلے میں ہی رہن صحیح ہوگا؛ کیوں کہ رہن کا حکم قبضہ وصول یابی کا ثبوت ہے اور استیفاء وجوب کے بعد ہے صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس لفظ پر ان اعیان سے اشکال وارد ہوت ہے جو بذاتِ خود مضمون ہیں؛ چناں چہ ان کے بدلے میں رہن صحیح ہے؛ حالاں کہ دین نہیں ہے۔

(ب) رہن کی تعریف، سبب، رکن اور اس کا حکم:

رہن کے لغوی معنیٰ: کسی چیز کو روکنا ہے۔

Website: MadarseWale.blogspot.com
Website: NewMadarsa.blogspot.com

رہن کے اصطلاحی معنیٰ: کسی حق یعنی قرض وغیرہ کی وجہ سے کسی چیز کو محبوس کرنا؛ تاکہ اس کے ذریعے حق کی وصولیابی ممکن اور آسان ہو جائے۔

"في الشريعة جعل الشيء محبوسا بحق يمكن استيفائه من الرهن".

رہن کا سبب: رب الدین کا مطالبہ کرنا ہے "أما سببه فهو مطالبة رب الدين الرهن".

رہن کا رکن: ہمارے نزدیک صرف ایجاب ہے اور بعض کے نزدیک ایجاب و قبول ہیں "أما ركنه الإيجاب فقط عندنا وعند البعض الإيجاب والقبول".

رہن کا حکم: یہ ہے کہ مرتہن کو ایسا قبضہ حاصل ہو جائے جس سے دین کی وصولیابی ممکن ہو "أما حكمه فهو ملك حبس المرهون وحق المطالبة بالبيع". (البنایہ: ج/۱۲، ص/۴۶۵)

(ج) دین مضمون میں مضمون کی قید کا فائدہ: دین مضمون میں مضمون کی قید کا فائدہ یہ ہے کہ اس قید کے ذریعے رہن بالدرک سے احتراز ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ رہن بالدرک جائز نہیں ہے، "قوله مضمون احترز به عن الرهن بالدرك فإنه لايصح". (البنایہ: ج/۱۲، ص/۴۷۹)

(د) صاحبِ ہدایہ نے جو اعتراض کیا ہے اس کی تشریح: صاحبِ ہدایہ کا اعتراض یہ ہے کہ "الابدين مضمون" کے ذریعے جو حصر کیا گیا ہے وہ مناسب نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ چیزیں جو بذاتِ خود مضمون ہوتی ہیں جیسے شئ مغصوب کا ضمان فی ذاتہ ہوتا ہے اور اس کے عوض بھی رہن صحیح ہوتا ہے؛ حالاں کہ وہاں دین نہیں ہوتا، معلوم ہوا کہ "لايصح الرهن الابدين مضمون" کا حصر درست نہیں ہے۔

اعیان مضمون بانفسہا کی توضیح: جو چیزیں بذاتِ خود مضمون ہوتی ہیں جیسے شئ مغصوب اگر ہلاک ہو جائے تو اس کا مثل یا قیمت واجب ہوتی ہے اور وہ چیز جو بھاؤ کرنے کے لیے قبضہ کیا ہو اور ہلاک ہو جائے تو اس کا مثل یا قیمت واجب ہوتی ہے یہ

اشیاء مضمون بانفسہا ہیں۔

اعیان مضمون بغیرہا کی توضیح: جو چیزیں غیر کی وجہ سے مضمون ہوتی ہیں جیسے مبیع بائع کے قبضے میں کہ وہ مضمون بالثمن ہوتی ہے مضمون بالقیمۃ نہیں ہوتی ہے تو یہ مضمون بغیرہ ہے۔ (البنایہ: ج ۱۲، ص ۴۷۹)

(ہ) اعتراض مذکور کا جواب: جواب یہ ہے کہ اعیان کو لے کر اشکال کرنا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ اعیان میں موجب اصلی قیمت ہی ہوتی ہے اور جہاں کہیں عین کو واپس کیا جاتا ہے تو واپس کرنے والا بری الذمہ ہوجاتا ہے۔ بہر حال! اعیان میں بھی جب قیمت ہی موجبِ اصلی ہے اور قیمت دین ہوتی ہے تو اعیان مضمون میں بھی دین ہی کے عوض رہن پایا گیا اور جب اعیان کی کفالت صحیح ہوتی ہے اور دین کی بھی صحیح ہوتی ہے تو جس طرح اعیان کا رہن صحیح ہے اسی طرح اعیان کی کفالت بھی درست ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

سوال: ۵۰، ہدایہ آخرین: ص/ ۵۲۰

(الف) عبارت بااعراب: وَ إِذَا طَلَبَ الْمُرْتَهِنُ دَيْنَهُ يُؤْمَرُ بِإِحْضَارِ الرَّهْنِ، لِأَنَّ قَبْضَ الرَّهْنِ قَبْضَ إِسْتِيفَاءٍ فَلَايَجُوْزُ أَنْ يَقْبِضَ مَالَهُ مَعَ قِيَامِ يَدِ الْإِسْتِيفَاءِ لِأَنَّهُ يَتَكَرَّرُ الْإِسْتِيفَاءُ عَلٰى إِعْتِبَارِ الْهَلَاكِ فِيْ يَدِ الْمُرْتَهِنِ وَهُوَ مُحْتَمِلٌ، وَ إِذَا أَحْضَرَهُ أُمِرَ الرَّاهِنُ بِتَسْلِيمِ الدَّيْنِ أَوَّلًا لِيَتَعَيَّنَ حَقُّهُ كَمَا تَعَيَّنَ حَقُّ الرَّاهِنِ تَحْقِيقًا لِلتَّسْوِيَةِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) عبارت کی تشریح کریں (ج) قبض استیفاء کی مراد اور قبض استیفاء اور قبضہ امانت میں فرق واضح کریں (د) مسئلہ کی مثال سے وضاحت کریں (ہ) کما في تسليم المبيع الخ کی اچھی طرح وضاحت کریں۔ (و) راہن، مرتہن اور شئ مرہون کو مثال سے واضح کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: جب مرتہن نے اپنے قرض کا مطالبہ کیا تو اسے رہن حاضر کرنے کا حکم دیا جائے گا؛ کیوں کہ قبضۂ رہن قبضۂ وصول یابی ہوتا ہے، لہٰذا یدِ استیفاء کے باقی رہتے ہوئے مرتہن کے لیے اپنے مال پر قبضہ کرنا جائز نہیں؛ اس لیے کہ وصول یابی مکرر ہو جائے گی، مرتہن کے قبضہ میں ہلاکت کا اعتبار کرتے ہوئے اور ہلاکت محتمل ہے اور جب مرتہن رہن کو حاضر کر دے تو پہلے راہن کو قرض سپرد کرنے کا حکم کیا جائے گا؛ تاکہ مرتہن کا حق متعین ہو جائے جیسا کہ راہن کا حق معین ہو گیا ہے برابری کو ثابت کرنے کے لیے۔

(ب) عبارت کی تشریح ملاحظہ فرمائیں: مذکورہ بالا عبارت میں مسئلہ یہ ہے کہ جب مرتہن راہن سے اپنے قرض کا مطالبہ کرے اور راہن ادائیگی دین کے لیے تیار ہو جائے تو قاضی پہلے مرتہن سے شیٔ مرہون کے لانے اور حاضر کرنے کا مطالبہ کرے؛ کیوں کہ شیٔ مرہون پر مرتہن کا قبضہ استیفاء ہے اور اس کے قبضے میں مرہون کی ہلاکت کا احتمال بھی ہے؛ اس لیے اگر احضارِ مرہون سے پہلے مرتہن کو اس کا حق یعنی قرض دے دیا جائے گا تو اس کے حق میں استیفاء مکرر ہو جائے گا۔

لہٰذا استیفاء کے حوالے سے راہن اور مرتہن میں مساوات ثابت کرنے کے لیے پہلے مرتہن کو احضارِ مرہون کا حکم دیا جائے گا اور جب وہ مرہون کو حاضر کر دے گا تو اب راہن سے کہا جائے گا کہ مرتہن کا قرضہ اس کے حوالے کر دو؛ کیوں کہ مرہون موجود اور متعین ہے اور تمہارا حق اس میں ثابت ہے، لہٰذا مرتہن کا حق اس سے اس کے حوالے کر کے اپنا حق یعنی مرہون لے لو جیسے بائع اور مشتری میں بھی یہی صورت ہوتی ہے کہ پہلے بائع سے مبیع حاضر کرنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور اس کے بعد مشتری سے پہلے ثمن دلوایا جاتا ہے اسی طرح یہاں بھی احضارِ مرہون کے بعد پہلے راہن سے مرتہن کا قرضہ دلایا جائے گا۔

(ج) قبض استیفاء کی مراد اور قبض استیفاء اور قبضہ امانت میں فرق کیا ہے؟

قبض استیفاء سے مراد: وہ قبضہ ہے جس کے ذریعے مرتہن مرہون پر قبضہ کرتا ہے اور اس کے ذریعہ اپنا قرضہ بآسانی وصول کرتا ہے یعنی ملک ید اور ملک حبس ہے۔

قبضہ استیفاء اور قبضہ امانت میں فرق: یہ ہے کہ قبضہ استیفاء میں شیٔ کی ہلاکت پر ضمان واجب ہوتا ہے اور ہلاکت تعدی سے ہو یہ بلاتعدی ہو، بہر صورت ضمان واجب ہوگا، اگر مرہون ہلاک ہوجائے تو اب مرتہن کا قرض ادا ہوگیا، اس کو مطالبہ کا حق نہیں ہے، قبضۂ امانت میں شیٔ کی ہلاکت اگر تعدی سے ہے تو ضمان واجب ہوتا ہے، اگر بلاتعدی ہے تو ضمان نہیں واجب ہوتا ہے۔

الأمانة إذا هلكت لم يضمنها إن كانت بلاتعدی وإن كانت تعدی ضمان الامانات تضمن بالتعدی.

(د) **مسئلہ کی مثال سے وضاحت:** منیر نے اخلد سے قرض لیا اور منیر نے پہلے اخلد کے پاس اپنا موبائل رہن رکھ دیا، اب اخلد اپنے قرض کا مطالبہ کرتا ہے تو اخلد کو پہلے موبائل حاضر کرنے کا حکم دیا جائے گا، اس کے بعد منیر پہلے اخلد کا قرض ادا کرے گا اس کے بعد اخلد منیر کو اس کا موبائل واپس کردے گا؛ تاکہ دونوں میں مساوات ہوجائے۔

Website: MadarseWale.blogspot.com
Website: NewMadarsa.blogspot.com

(ہ) **كما في تسليم المبيع الخ عبارت کی توضیح:** بائع اور مشتری کی صورت میں بھی پہلے بائع سے مبیع حاضر کرنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور اس کے بعد مشتری سے پہلے ثمن دلوایا جائے گا اور بعد میں مبیع اس کے حوالے کی جائے گی ایسا ہی رہن میں بھی ہے؛ تاکہ مساوات ہوجائے۔

(و) **راہن، مرتہن اور شیٔ مرہون کی مثال سے اس کی توضیح:** طیب نے ریاض کے پاس اپنا موبائل رہن رکھ کر قرض لیا تو اس مثال میں طیب راہن، ریاض مرتہن اور موبائل مرہون ہے۔

سوال:۵۱، ہدایہ آخرین:ص/۵۲۴

(الف) عبارت بااعراب: وَلَايَجُوزُ رَهْنُ الْمُشَاعِ، وَقَالَ الشَّافِعِي يَجُوزُ، وَلَنَا فِيهِ وَجْهَانِ أَحَدُهُمَا يَبْتَنِي عَلٰى حُكْمِ الرَّهْنِ فَإِنَّهُ عِنْدَنَا ثُبُوتُ يَدِ الْإِسْتِيفَاءِ وَ هٰذَا لَايَتَصَوَّرُ فِيمَا يَتَنَاوَلُهُ الْعَقْدُ وَهُوَ الْمُشَاعُ، وَ عِنْدَهُ الْمُشَاعُ يَقْبَلُ مَاهُوَ الْحُكْمُ عِنْدَهُ وَهُوَ تَعْيِينُهُ لِلْبَيْعِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مشاع اور ید استیفاء سے کیا مراد ہے؟ (د) ھٰذا کا مشارٌ الیہ متعین کریں (ہ) رہن مشاع کے جواز اور عدمِ جواز میں ائمہ کرام کا اختلاف مع دلیل تحریر کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: فرماتے ہیں کہ مشترک چیز کو رہن رکھنا جائز نہیں ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں اور اس سلسلے میں ہماری دو دلیلیں ہیں: (۱) ان میں سے پہلی رہن کے حکم پر مبنی ہے؛ کیوں کہ ہمارے یہاں رہن کا حکم قبضہ استیفاء کا ثبوت ہے اور یہ ایسی چیز میں متصور نہیں ہے جسے عقد شامل ہو اور وہ مشاع ہو اور امام شافعیؒ کے یہاں مشاع اس چیز کو قبول کرتا ہے جو ان کے یہاں رہن کا حکم ہے اور وہ اس کا بیع کے لیے متعین ہونا ہے۔

(ب) مشاع اور یدِ استیفاء سے کیا مراد ہے؟

(۱) مشاع سے مراد: ایسی چیز ہے جو مشترک ہو اب وہ تقسیم ہوسکتی ہو یا نہ ہوسکتی ہو، بہر صورت وہ مشاع ہے۔

(۲) یدِ استیفاء سے مراد: وہ قبضہ ہے جس کے ذریعہ مرتہن مرہون پر قبضہ کرتا ہے اور اس کے ذریعہ اپنا قرض بآسانی وصول کرتا ہے اس کو ملکِ ید اور ملکِ حبس بھی کہتے ہیں۔

(د) ھٰذا کا مشارٌ الیہ:

ھٰذا کا مشارٌ الیہ "ثبوت ید الاستیفاء" ہے۔ (البنایہ: ج ۱۲/ ص/ ۹۳)

(ہ) رہن مشاع کے جواز اور عدمِ جواز میں ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل:

احناف کا مذہب یہ ہے کہ مشاع اور مشترک چیز کا رہن رکھنا جائز نہیں ہے۔

احنافؒ کی دلیل: یہ رہن کے حکم پر مبنی ہے؛ کیوں کہ ہمارے یہاں رہن کا حکم قبضہ استیفاء کا ثبوت ہے اور قبضہ استیفاء کا ثبوت ایسی چیز میں متصور نہیں ہے جسے عقد شامل ہو اور وہ مشاع ہو؛ اس لیے قبضۂ استیفاء کے ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے اس کا رہن رکھنا درست نہیں ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

احناف کی دوسری دلیل: یہ ہے کہ رہن کا موجب دائمی محبوس ہونا ہے؛ کیوں کہ رہن مقبوض ہو کر ہی مشروع ہوا ہے، لہٰذا رہن کے مطابق اس کا دائمی طور پر مرتہن کے پاس محبوس ہونا شرط ہے اور حبس دائمی اسی وقت حاصل ہوگی جب رہن ایک آدمی کی ملکیت میں ہو اور اس میں کسی کا اشتراک نہ ہو، اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ مشاع کا رہن جائز نہیں ہے۔

امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ مشاع اور مشترک چیز کا رہن رکھنا درست ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک رہن کا جو حکم ہے مشاع اس کو قبول کرتا ہے اور وہ حکم اس کا یعنی مرہون کا بیع کے قابل ہونا ہے اور مشاع کی بیع جائز ہے تو اس کا رہن رکھنا بھی جائز ہوگا۔

سوال: ۵۲، ہدایہ آخرین: ص/ ۵۲۷

(الف) عبارت با اعراب: وَالرَّهْنُ بِالدَّرْکِ بَاطِلٌ وَالْکِفَالَةُ بِالدَّرْکِ جَائِزَةٌ، وَالْفَرْقُ أَنَّ الرَّهْنَ لِلْإِسْتِيْفَاءِ قَبْلَ الْوُجُوْبِ، وَ إِضَافَةُ التَّمْلِيْکِ إِلٰى زَمَانٍ فِي الْمُسْتَقْبَلِ لَاتَجُوْزُ، أَمَّا الْکِفَالَةُ فَلِإِلْتِزَامِ الْمُطَالَبَةِ، وَإِلْتِزَامُ الْأَفْعَالِ يَصِحُّ مُضَافًا إِلَى الْمَالِ.

(الف)عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب)درک کی تعریف کریں (ج)رہن بالدرک اور کفالت بالدرک کو مثال سے سمجھائیں (د) پھر دونوں کی دلیلوں کو واضح کریں (ہ)رہن بالدرک اور کفالہ بالدرک میں فرق واضح کریں۔

الجواب

(الف)ترجمہ: رہن بالدرک باطل ہے اور کفالہ بالدرک جائز ہے اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ رہن وصول یابی کے لیے ہوتا ہے اور وجوب سے پہلے وصول یابی نہیں ہوتی اور زمان کی طرف تملیک کی اضافت جائز نہیں ہے، رہا کفالہ تو وہ مطالبہ کے التزام کے لیے ہوتا ہے اور مآل کی طرف اضافت کرتے ہوئے افعال کا التزام صحیح ہے۔

(ب)درک کی تعریف: مبیع کے استحقاق کے وقت ثمن کا ضامن ہو جانا یہ درک کہلاتا ہے۔"الدرک يراد به ضمان الثمن عند استحقاق المبيع".

(البنایہ:ج/۱۲،ص/۵۰۱)

(ج)رہن بالدرک اور کفالت بالدرک:

رہن بالدرک کی مثال: اخلد نے منیر کو ایک مکان فروخت کیا اور اخلد نے مکان منیر کے سپرد بھی کردیا اب منیر کو خوف ہوا کہ اس مکان کا کوئی مستحق نہ نکل جائے تو اس نے بائع کے ثمن کو بطور رہن اپنے پاس رکھ لیا تو یہ رہن بالدرک ہے۔

صورته أن يبيع شيئا ويسلمه إلى المشتري فيخاف المشتري أن يستحقه أحد فيأخذ من البائع رهنا بالثمن.

کفالہ بالدرک کی مثال: منیر نے اخلد سے کوئی سامان خریدا؛ لیکن معاملہ مکمل ہونے سے قبل منیر کو تردد ہوا کہ کہیں مجھ کو نقصان نہ ہو جائے اسی تردد میں تھا کہ ریاض آیا اور اس نے منیر سے کہا کہ آپ بے فکر ہو کر سودا کیجیے اگر کوئی نقصان ہوا تو میں ضامن ہوں، اس کو کفالہ بالدرک کہتے ہیں۔

(د) دونوں کی دلیلوں کی وضاحت: رہن بالدرک کے عدمِ جواز کی دلیل یہ ہے کہ رہن دین کی وصولیابی کے لیے ہوتا ہے اور وجوب سے پہلے کسی چیز کی وصولیابی ممکن نہیں ہے اور جب معاملہ درک کا ہے تو چوں کہ درک کی وجہ سے بائع پر کوئی چیز واجب نہیں ہوتی ہے؛ اس لیے مشتری کے لیے کسی بھی چیز کی وصولیابی ممکن نہیں ہوگی اور اس درک کے آئندہ مکمل ہونے کے احتمال سے بھی رہن بالدرک کو جائز نہیں قرار دے سکتے؛ کیوں کہ تملیک کو زمان استقبال کی طرف منسوب کرنا درست نہیں ہے؛ اس لیے اس حوالے سے بھی رہن بالدرک جائز نہیں ہے۔

کفالہ کی دلیل: کفالہ بالدرک کے جواز کی دلیل یہ ہے کہ کفالہ کا مقصد التزام مطالبہ ہے اور افعال کا التزام مآل کی طرف منسوب کر کے درست ہے؛ اس لیے کفالہ بالدرک بھی جائز ہے۔

(ہ) رہن بالدرک اور کفالہ بالدرک میں فرق: رہن وصولیابی کے لیے ہوتا ہے اور زمان کی طرف تملیک کی اضافت جائز نہیں ہے۔

کفالہ یہ مطالبہ کے التزام کے لیے ہوتا ہے اور مال کی طرف اضافت کرتے ہوئے افعال کا التزام صحیح ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

سوال: ۵۳، ہدایہ آخرین: ص/۵۳۴

(الف) عبارت بااعراب: وَ مَنْ بَاعَ عَبْدًا عَلٰى أَنْ يَّرْهَنَهُ الْمُشْتَرِيْ شَيْئًا بِعَيْنِهٖ جَازَ إِسْتِحْسَانًا، وَالْقِيَاسُ أَنْ لَايَجُوْزَ، وَ عَلٰى هٰذَا الْقِيَاسِ وَالْإِسْتِحْسَانِ إِذَا بَاعَ شَيْئًا عَلٰى أَنْ يُّعْطِيَهٗ كَفِيْلًا مُعَيَّنًا حَاضِرًا فِي الْمَجْلِسِ فَقَبِلَ، وَجْهُ الْقِيَاسِ أَنَّهٗ صَفْقَةٌ وَ فِيْهِ مَنْفَعَةٌ لِأَحَدِهِمَا وَ مِثْلُهٗ يُفْسِدُ الْبَيْعَ، وَجْهُ الْإِسْتِحْسَانِ أَنَّهٗ شَرْطٌ مُلَائِمٌ لِلْعَقْدِ؛ لِأَنَّ الْكَفَالَةَ وَالرَّهْنَ لِلْإِسْتِيْثَاقِ وَ أَنَّهٗ يُلَائِمُ الْوُجُوْبَ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) دونوں مسئلوں کی وضاحت کریں (ج) وجوہِ قیاس واستحسان کی تشریح کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: اور جس نے اس شرط پر غلام کو فروخت کیا کہ مشتری اس کے پاس کوئی معین چیز رہن رکھے گا تو استحساناً یہ جائز ہے؛ لیکن قیاس یہ ہے کہ جائز نہ ہو اور اسی قیاس اور استحسان پر یہ صورت ہے کہ جس کسی نے اس شرط پر کوئی چیز فروخت کی کہ مشتری بائع کو کوئی معین کفیل دے گا جو مجلس میں ہو اور وہ کفیل کفالت قبول کرے۔ دلیل قیاس کی یہ ہے کہ یہ صفقہ در صفقہ ہے؛ حالاں کہ اس سے عاقدین میں سے کسی ایک کا نفع بھی ہے اور اس طرح کی شرط بیع کو فاسد کر دیتی ہے استحسان کی دلیل یہ ہے کہ یہ شرط عقد بیع کے مناسب ہے؛ کیوں کہ کفالہ اور رہن مضبوطی کے لیے ہوتے ہیں اور استیثاق وجوبِ ثمن کے مناسب ہے۔

(ب) دونوں مسئلوں کی وضاحت:

پہلا مسئلہ: یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کے ہاتھ سے اس شرط پر اپنے غلام کو فروخت کرے کہ تمہارے پاس جو موبائل ہے وہ تم میرے پاس رہن رکھ دو اور جب ثمن اداء کرنا تو اپنا موبائل واپس لے لینا یہ استحسان کے طور پر جائز ہے؛ لیکن قیاس کے طور پر جائز نہیں ہے۔

دوسرا مسئلہ: یہ ہے کہ کوئی اس شرط کے ساتھ اپنا غلام فروخت کرے کہ مجلسِ عقد میں مشتری کا کوئی دوست موجود ہو اور مشتری اسے اداءِ ثمن کا کفیل بنا دے اور وہ دوست کفیل بن کر اسے قبول کر لے تو یہ استحسان کے طور پر جائز ہے؛ لیکن قیاس کے طور پر جائز نہیں ہے۔

(ج) وجوہِ قیاس واستحسان کی تشریح:

وجہِ قیاس: یہ ہے کہ یہ ایک عقد کے اندر دوسرا عقد کرنا ہے اور حالاں کہ صفقہ

NEW MADARSA

درصفقہ سے منع کیا گیا ہے؛اس لیے یہ جائز نہیں ہے۔

وجہِ قیاس: یہ ہے کہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے اوراس شرط سے بائع کا نفع ہے؛اس لیے بھی اس طرح کی شرط کی وجہ سے عقد فاسد ہوجاتا ہے۔

وجہِ استحسان: یہ ہے کہ شرائط مقتضائے عقد کے خلاف نہیں ہیں؛ بلکہ مقتضائے عقد کے مناسب ہیں؛ کیوں کہ غلام کی خریداری اوراس پر قبضہ کے بعد مشتری پر ثمن واجب ہوگا اور رہن اور کفالہ سے اسی وجوب کا استیثاق مقصود ہے؛اس لیے ان دونوں شرط کا لگانا درست ہے۔ (احسن الہدایہ: ج۱۴،ص۲۵۹)

❑❖❑

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جو کتاب نیٹ پر موجود نہیں ہیں
یا کوئی کتاب آپکو چاہئے جو نیٹ پر
موجود نہ ہو تو آپ ہمیں میسیج کریں

NEW MADARSA

ٹیلیگرام چینل
@New Madarsa
https://t.me/NewMadarsa

یا ٹیلیگرام گروپ
@New Madarsa Group
https://t.me/NewMadarsaGroup

Pinterest

Follow All Social Media Network:

NEW MADARSA

Blogger

Telegram

Instagram

facebook

काम देख कर follow करें